سندھ کی کہانی:
مٹی، مزاحمت اور محبت

رک سندھی

کراچی 2025

The Story of Sindh: Soil, Resistance and Love

Author: Ruk Sindhi

Karachi 2025

Book in Urdu Language

فہرست

1. روپا ماڑی : محبت، بہادری اور قربانی کا امر استعارہ
2. پاکستان کی تہذیبی بنیاد : سندھ وادی کی شناخت
3. جب افغان حکمران نے سندھ کے وزیرِاعظم کو اغوا کر لیا
4. سندھو دھرتی کا ایک تاریخی کردار: ابڑو اڑبنگ
5. سندھ پر ارغونوں کی حکومت: تاریخ، مزاحمت اور ثقافتی بیگانگی
6. ہالانی کی جنگ: کلہوڑوں سے تالپوروں تک حکومتی تبدیلی کا تاریخی احوال
7. تھر میں سوڈھا اور کولہی مزاحمت: برطانوی سامراج کے خلاف 16 سالہ جدوجہد
8. تارا بائی: سندھ کی بیٹی، تخت کی محافظ
9. دودو سومرو کی بیٹی کویل: وطن کے لیے قربانی اور فخر کی علامت
10. خاصائی کی جنگ: سندھ کے سورماؤں کی مزاحمت کی داستان
11. بڈامانی پنرو: سندھ کی تاریخ کا ایک بہادر کردار

12. ارغونوں کے حملے اور ملتان کا المیہ: جب لوگ کتے اور بلیاں کھانے پر مجبور ہوئے
13. جب سکندرِ اعظم نے ماچھی قبیلے کے جنگجو بادشاہ کو اروڑ میں پھانسی دی
14. راجپوت نسل سے سندھ کی جدید ذاتوں کا ارتقاء
15. سندھ کی ذاتوں، قبائل اور قومی شناخت کا تحقیقی جائزہ
16. سندھ پر رائے خاندان کی حکومت: ایک مثالی دور کی کہانی
17. سندھ کے قبائل اور شاہ بیگ ارغون کے خلاف مزاحمت
18. سندھ رانی اور میر باگو خان تالپور:اقتدار، محبت اور قربانی کی انوکھی داستان
19. جب ارغون حکمران کے دو بھائی سندھ کے ہاتھوں مارے گئے
20. راجا پورس نے سکندر مقدونی کو سندھ سے کس طرح پسپا ہونے پر مجبور کیا؟

روپا ماڑی : محبت، بہادری اور قربانی کا امر استعارہ

رک سندھی

سندھ کے دریائی کناروں، ریت کے ٹیلوں اور تاریخ کے اوراق میں ایسے بھی مقامات ہیں جو محض پتھروں، اینٹوں یا دیواروں کے ڈھانچے نہیں، بلکہ محبت، وفاداری، بہادری اور قربانی کی لازوال یادگار ہیں۔ انہی مقامات میں ایک ہے **روپا ماڑی** —جو ایک بادشاہ کی محبت کا تحفہ تھی، لیکن وقت کی دھول میں یہ قربانی اور عزم کی علامت بن گئی۔

بدین شہر سے جنوب کی طرف تقریباً 26 میل کے فاصلے پر، سومرا دور کے طاقتور حکمران بھونگر بادشاہ نے اپنی محبوب بیوی **روپا رانی** کے لیے کُنر سر کے کنارے ایک شاندار ماڑی تعمیر کروائی۔ ملکہ کے نام سے منسوب یہ عمارت "روپا ماڑی" کہلائی۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں بادشاہ سلطنت کے اہم فیصلے کرتا، تاجپوشی کی تقاریب منعقد ہوتیں اور جہاں سندھ کا دارالحکومت بھی منتقل ہوا۔

بھونگر بادشاہ کے انتقال (1288ء) کے بعد اس کا بیٹا **چنسر** تخت نشین ہوا، جبکہ وگھہ کوٹ پر اس کا وفادار بھائی **دودو سومرو** حکمرانی کرتا رہا۔ سیاسی اختلافات اور اقتدار کی

کشمکش کے باوجود روپا ماڑی حکمرانی اور شان و شوکت کا مرکز بنی رہی، یہاں تک کہ تاریخ نے ایک ایسا موڑ لیا جہاں محبت اور وطن پرستی دونوں کو قربانی کے امتحان سے گزرنا پڑا۔

1299ء میں مغل فوج نے دو طرف سے سندھ پر چڑھائی کی— ایک لشکر بکھر سے اور دوسرا ننگرپارکر سے۔ سندھ کے بہادر سپاہی چھوٹے چھوٹے دستوں میں دشمن کو روکنے کے لیے ڈٹے رہے، مگر دشمن کی کثرت اور طاقت کے آگے مزاحمت بتدریج پسپا ہونے لگی۔ ایسے میں کئی سردار اپنے خاندان اور قیمتی سامان کو کچھ کی طرف روانہ کر گئے، مگر **روپا رانی** نے جانے سے انکار کر دیا۔

دودو سومرو، جس پر ملکہ کی حفاظت کی ذمہ داری تھی، روپا ماڑی کو چھوڑنے کے بجائے آخری سانس تک میدانِ جنگ میں لڑتا رہا۔ 1300ء میں، جب دشمن لشکر ماڑی کے دروازے تک پہنچ گیا، دودو زنانی در کے قریب لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔ بھائی کا خون میں ڈوبا جسم دیکھ کر چنسر کے خون میں بھی جوش آیا اور وہ بھی جنگ میں شامل ہو کر شہید ہو گیا۔

دودو کی شہادت کے بعد روپا رانی نے اپنا فیصلہ کر لیا — اس نے خود کو آگ کے حوالے کر دیا اور ماڑی کے ساتھ جل کر راکھ ہو گئی، مگر دشمن کے ہاتھ نہ آئی۔ آج بھی روپا ماڑی کے قریب دودو کی قبر موجود ہے، جبکہ روپا رانی کا مزار کچھ فاصلے پر واقع ہے۔

روپا ماڑی 640ھ میں تعمیر ہوئی اور 700ھ میں تباہ ہو گئی، مگر اس کے پتھر، اس کی دیواریں اور اس سے جڑی روایات آج بھی سندھ کی تاریخ میں محبت اور وطن کے لیے جان قربان کرنے کا استعارہ بنی ہوئی ہیں۔ ہر سال 14 پھگن (فروری کے پہلے ہفتے) یہاں میلہ لگتا ہے، جہاں شہیدوں کی یاد میں لوگ

اکٹھے ہوتے ہیں — تاکہ تاریخ کو زندہ رکھنے کا فرض نبھایا جا سکے۔

روپا ماڑی صرف ایک محل نہیں تھی، یہ ایک داستان تھی — محبت کی، بہادری کی، اور اس عہد کی کہ وطن اور عزت کے لیے آخری سانس تک جدوجہد جاری رکھی جائے گی۔

پاکستان کی تہذیبی بنیاد : سندھ وادی کی شناخت

رک سندھی

آج ہم جس سرزمین پر کھڑے ہیں، وہ محض ایک سیاسی ریاست نہیں، بلکہ ایک تہذیبی ورثے کی امین ہے۔ پاکستان کی اصل شناخت، اس کی روح، اس کی بنیاد — سندھ وادی کی تہذیب ہے۔ یہ وہ تہذیب ہے جو دنیا کی قدیم ترین شہری تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے، اور جس نے انسانیت کو علم، فن، تعمیر، اور وحدت کا پیغام دیا۔

تاریخی پس منظر:

پاکستان کی تاریخ کا آغاز 1947 سے نہیں ہوتا۔ یہ تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے، جب موئن جو دڑو، ہڑپہ، اور دیگر عظیم شہر علم و فن کے مرکز تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب سندھ وادی میں انسان نے پہلی بار شہری زندگی، تحریر، اور منصوبہ بندی کا آغاز کیا۔
سندھ کی سرحدیں اُس وقت موجودہ پاکستان سے کہیں زیادہ وسیع تھیں — پنجاب، خیبر پختونخوا، بلوچستان، گچھ، کاٹھیاواڑ، گجرات، اور راجستھان — یہ سب کبھی سندھ کے تہذیبی دائرے میں شامل تھے۔

تہذیبی وراثت اور مقامی شناخت:

سندھ وادی کروڑوں سال سے سندھی بولنے والوں کا وطن رہی ہے۔ یہ لوگ کہیں باہر سے ہجرت کرکے نہیں آئے، بلکہ اسی

دھرتی پر پیدا ہوئے، یہیں پروان چڑھے، اور یہی ان کی پہچان ہے۔
یہی مقامی لوگ، یہی تہذیب کے وارث، آج پاکستان کی سرحدوں کے اندر بستے ہیں — بغیر کسی نسلی یا لسانی فرق کے۔ ان کی شناخت مشترک ہے، ان کی ثقافت ایک ہے، اور ان کا ورثہ سندھ وادی کی تہذیب ہے۔

قومی وحدت کا پیغام:

کشمیر سے کراچی تک، ایک ہی تہذیب کی خوشبو ہے۔ ایک ہی ثقافت کی روشنی ہے۔ ایک ہی قومی شناخت کی گونج ہے۔
پاکستان کے اصل وارث وہی لوگ ہیں جو صدیوں سے یہاں آباد ہیں۔ جنہوں نے اس دھرتی کو سنوارا، اس کی زبانوں کو پروان چڑھایا، اور اس کی تہذیب کو زندہ رکھا۔

اختتام (دعوتِ فکر)

آج وقت ہے کہ ہم اپنی شناخت کو صرف سیاسی یا مذہبی بنیادوں پر نہ دیکھیں، بلکہ تہذیبی اور تاریخی بنیادوں پر سمجھیں۔
ہمیں چاہیے کہ ہم سندھ وادی کی تہذیب کو پاکستان کی بنیاد مانیں — کیونکہ یہی وہ بنیاد ہے جو ہمیں جوڑتی ہے، ہمیں متحد کرتی ہے، اور ہمیں دنیا کے سامنے ایک قدیم، باشعور، اور باوقار قوم کے طور پر پیش کرتی ہے۔

جب افغان حکمران نے سندھ کے وزیرِاعظم کو اغوا کر لیا

رُک سندھی

انیسویں صدی کا ابتدائی نصف، برصغیر اور وسطی ایشیا کی سیاست میں ایک ہلچل انگیز دور تھا۔ سلطنتوں کے زوال اور نئے اقتدار کے ابھرنے کے بیچ، سندھ کی سرزمین بھی بڑی طاقتوں کے تصادم کی زد میں رہی۔ انہی طوفانی برسوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے سندھ کے سیاسی افق کو ہلا کر رکھ دیا — افغان حکمران شاہ شجاع درّانی کا سندھ کے وزیرِاعظم کو اغوا کر لینا۔

شاہ شجاع: عروج، زوال اور لالچ

شاہ شجاع درّانی، احمد شاہ ابدالی کا پوتا، 4 نومبر 1785ء کو پیدا ہوا۔ وہ پہلی بار 1803ء سے 1809ء تک اور دوسری بار 1839ء سے 1842ء تک افغانستان کی تخت نشینی پر فائز رہا۔ مگر ان دونوں ادوار کے بیچ وہ ایک بے تاج بادشاہ کے طور پر دربدر پھرتا رہا، اور اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی بازیافت کے لیے جہاں ممکن ہوا، اپنی عسکری اور سیاسی چالیں آزما کر دیکھتا رہا۔ سندھ، خصوصاً تجارتی شہر شِکارپور، اُس کی نظر میں ہمیشہ ایک پرکشش ہدف رہا۔

شِکارپور پر پنجہ آزمائی

کلھوڑوں کے زوال اور ٹالپُر میروں کے عروج کے ساتھ ہی افغان پٹھانوں نے شِکارپور پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔ یہ شہر

اُس دور میں خطے کی معیشت کا سنگم تھا، جہاں سے تجارتی قافلے وسطی ایشیا تک رسائی رکھتے تھے۔ شاہ شجاع کے لیے شِکارپور نہ صرف دولت کا خزانہ تھا بلکہ سندھ میں سیاسی اثر و رسوخ بڑھانے کا بہترین اڈہ بھی۔

1806ء میں شاہ شجاع پہلی مرتبہ شِکارپور آیا اور 'باغِ شہزادہ' میں قیام کیا۔ میر حکمرانوں نے سفارتی نزاکت کے تحت اُس کی میزبانی میں کوئی کمی نہ چھوڑی، مگر یہ میزبانی بھاری قیمت پر ہوئی۔ ایک روایت میں بیس لاکھ روپے، اور دوسری میں دس لاکھ روپے بطور خراج ادا کیے جانے کا ذکر ملتا ہے۔

ظلم و جبر کی حکایت

شاہ شجاع کا شِکارپور میں قیام مقامی آبادی کے لیے ابتلا کا زمانہ ثابت ہوا۔ منشی عطا محمد کے الفاظ میں:

"جہاں اسے کسی مالدار کا پتا چلتا، وہ پروانے کی طرح جا پہنچتا اور دولت چھین لیتا۔ جہاں کسی دوشیزہ کا ذکر سنتا، اُسے زبردستی قیدِ حرم میں لے آتا۔"

عورتوں کی عصمت دری، دولت کی لوٹ مار، اور مخالفین پر ظلم — یہ سب اُس کے معمولات کا حصہ تھے۔ حتیٰ کہ اُس نے بعض مواقع پر بااثر مقامی سرداروں کی بیٹیوں کو بھی زبردستی نکاح میں لے لیا۔

وزیرِاعظم کا اغوا — ایک سیاسی دھچکا

1810ء میں جب میروں نے خراج دینا بند کر دیا، شاہ شجاع نے ایک بار پھر شِکارپور پر لشکر کشی کی۔ اس مرتبہ اُس نے سندھ کے وزیرِاعظم نواب ولی محمد خان لغاری کو گرفتار کر لیا۔

یہ اقدام محض عسکری نہیں بلکہ ایک واضح سیاسی پیغام بھی تھا — کہ افغان طاقت ابھی خطے میں اثر انداز ہو سکتی ہے۔

میروں کے لیے یہ صورتحال ناقابلِ برداشت تھی۔ مذاکرات کا دروازہ کھولا گیا، اور بھاری تحائف کے ساتھ ساتھ بیس لاکھ روپے بطور بھتہ ادا کرنے پر وزیرِاعظم کی رہائی ممکن ہوئی۔ شاہ شجاع اس کے بعد کابل واپس لوٹ گیا، مگر سندھ کے حکمرانوں پر اپنی عسکری اور نفسیاتی برتری کا تاثر چھوڑ گیا۔

طویل سایہ اور انجام

اگلے کئی برسوں تک شاہ شجاع کبھی براہِ راست اور کبھی بالواسطہ سندھ کی سیاست میں مداخلت کرتا رہا۔ اُس کے حملے، خراج کی طلب، اور لوٹ مار نے سندھ کے امن و امان کو بار بار تہ و بالا کیا۔ آخرکار 1842ء میں اُس کا قتل ہوا، لیکن تقریباً چالیس برس تک وہ اس خطے کے لیے ایک مستقل خطرہ اور سیاسی وبال بنا رہا۔

نتیجہ

شاہ شجاع کی کہانی صرف ایک شخص کی لالچ اور جبر کی داستان نہیں بلکہ اس بات کا عبرتناک سبق بھی ہے کہ داخلی کمزوری، حکمرانوں کے باہمی اختلافات، اور سفارتی کم تدبیری، ہمیشہ بیرونی طاقتوں کو مداخلت کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ سندھ کی اُس وقت کی قیادت اگر یکجہتی اور تدبیر سے کام لیتی تو شاید افغان مداخلت کا دائرہ اتنا وسیع نہ ہوتا۔

سندھو دھرتی کا ایک تاریخی کردار:
ابڑو اڑبنگ

رُک سندھی

گجرات اور راجستھان کے وہ علاقے جو آج بھارت کا حصہ ہیں، ہزاروں سال تک سندھ کی سرحدوں میں شامل رہے۔ سندھ کی تہذیب کے عروج کے دور سے لے کر حالیہ تاریخ تک، کچھ، بھُج، کاٹھیاواڑ، گجرات اور راجستھان سندھ سے سیاسی، سماجی اور ثقافتی طور پر جُڑے رہے۔ آج بھی ان علاقوں میں سندھ کی زبان اور ثقافت اپنی تمام تر خوبصورتیوں کے ساتھ زندہ ہے۔

ان علاقوں میں آج بھی بڑی تعداد میں سندھی برادریاں آباد ہیں، جو سرحد کے دونوں طرف موجود ہیں اور رشتہ داری، مٹی اور محبت کے بندھن میں بندھی ہوئی ہیں۔ تھر ڈویژن کے لوگوں کے رشتے آج بھی کچھ اور گجرات والوں سے قائم ہیں۔ ان علاقوں کو آج بھی قدیم سندھ کا حصہ سمجھا جاتا ہے، اور وہاں کی زبان ’کچھکی‘، سندھی زبان کا ایک لہجہ قرار دی جاتی ہے۔

کچھ کا راج خاندان ’جاڑیجن‘ نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس خاندان کا بانی ’جاڑو ولد لاخو ننگر‘ تھا، جو ٹھٹھہ کا رہائشی اور ذات کا سمو تھا۔ سندھ اور کچھ ہر دور میں ایک دوسرے کے سچے ساتھی رہے۔ جب بھی سندھ پر مشکل وقت آیا، کچھ کے لوگوں نے اس کا ساتھ دیا۔ اور جب کچھ پر کوئی مصیبت آئی، سندھ کے لوگوں نے اسے اپنا درد سمجھا۔

آج ہم اسی کَچھ کے ایک بہادر، بے خوف اور غیرت مند کردار 'ابڑو اڑبنگ' کی بات کریں گے، جس نے سندھ پر حملہ آور دشمنوں کے خلاف اس دھرتی کا ساتھ دیا، سندھ کی ماؤں اور بہنوں کو پناہ دی، اور ان کی عزت پر آنچ نہ آنے دی۔

شاہ لطیف نے اس عظیم کردار کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا:

"ابڑو سوَرو، وڈوَرو، سمو سونھن سندن"

دودو اور چنیسر کا تنازعہ

روایات کے مطابق دودو اور چنیسر، سومرا حکمران 'بھونگر' کے بیٹے تھے۔ دودو اپنی دادی کی پوتی سے اور چنیسر لوہارَن بیوی سے تھا۔ بھونگر کی وفات کے بعد تخت نشینی پر اختلاف ہوا، جس کا فیصلہ بھونگر کی بڑی بیٹی 'باگھی بائی' پر چھوڑا گیا۔ اس نے تخت چنیسر کو سونپنے کا فیصلہ کیا، لیکن چنیسر بغیر تاج پہنے دربار سے نکل گیا، جو راج دھرم کے خلاف سمجھا گیا۔ امیروں نے اسے کمزور جان کر دودو کو تخت پر بٹھا دیا۔

چنیسر ناراض ہو کر دہلی کی دربار میں فریاد لے گیا، اور علاؤالدین خلجی کو اپنی بہن باگھی بائی کے رشتے کا لالچ دے کر سندھ پر حملے کے لیے آمادہ کیا۔

ننگر کا تاریخی انکار

جب دودو سومرو کو حملے کی خبر ملی، تو اس نے چنیسر کے بیٹے 'ننگر' کو سفیر بنا کر دشمنوں کے پاس بھیجا۔ ننگر نے قومی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے باگھی بائی کا رشتہ دینے سے انکار کیا اور دشمنوں کو للکار کر جنگ کا آغاز کیا۔

وہ اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہو گیا، لیکن سندھ کی عزت پر سمجھوتہ نہ کیا۔

بھاگو بھان کا غیرت بھرا شعر

جب دربار میں تجویز آئی کہ کسی باندی کو علاؤالدین کو دے کر خطرہ ٹالا جائے، تو بھاگو بھان نے یہ شعر کہا:

"جر نہ کُٹی کنگریں، راہُ نہ گنڈجن ویڑ،
جی گولی ویندی گجرین، تہ بہ سڏبی دودو پیڑ"

یعنی اگر گجرات کی لڑکیاں بھی قربان ہوں، تب بھی انہیں دودو کی بہن کہا جائے گا۔

ابڑو اڑبنگ – سندھ کا سچا ساتھی

ابڑو اڑبنگ کچھ کے سمو سرداروں میں سے تھا، جو سندھ سے وابستہ تھا۔ وہ 'وڈ سر' علاقے کا والی، پہلوان اور سورما تھا۔ وہ دودو سومرو کا ہم عصر تھا، اور اس کا دور 13ویں صدی کے آخر اور 14ویں صدی کے آغاز کا ہو سکتا ہے۔

جب دودو سومرو نے سلطانی لشکر کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا، تو اس نے اپنی بہن باگھی بائی سمیت شاہی خاندان کی عورتوں کو ابڑو کے پاس کچھ بھیج دیا۔ ابڑو نے انساموں (عزت دار عورتوں) کو پناہ دی اور ان کی حفاظت کے لیے میدانِ جنگ میں آیا۔

ابڑو کی قربانی اور ساموں کی عزت

ابڑو نے اپنے بیٹوں کے ساتھ ایک چھوٹا لشکر لے کر دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ جب وہ جنگ میں شہید ہوا، تو ساموں کو دشمنوں

کے ہاتھ نہ لگنے دیا۔ جب خلجی لشکر ان کی طرف بڑھا، تو سومرا عورتوں نے خود کو زندہ جلا کر اپنی عزت بچائی۔

جس جگہ یہ قربانی دی گئی، وہاں بعد میں 'ستین کا آستان' قائم ہوا۔ سندھ کے لوگ آج بھی وہاں محبت اور عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں، اور ان کی یاد میں میلے منعقد کرتے ہیں۔

اختتامی نوٹ

ابڑو اڑبنگ کا کردار سندھ کی تاریخ میں غیرت، وفاداری اور قربانی کی روشن مثال ہے۔ اس کی بہادری اور ساموں کی عزت کی حفاظت آج بھی سندھ کے اجتماعی شعور کا حصہ ہے۔ یہ داستان ہمیں یاد دلاتی ہے کہ جب دھرتی پر خطرہ ہو، تو مٹی کے بیٹے سر دے کر بھی اس کی عزت بچاتے ہیں۔

سندھ پر ارغونوں کی حکومت: تاریخ، مزاحمت اور ثقافتی بیگانگی

رُک سندھی

تمہید

سندھ کی تاریخ میں کئی ادوار ایسے آئے جنہوں نے اس خطے کی تہذیب، ثقافت اور سیاسی خودمختاری کو شدید متاثر کیا۔ ان میں ارغون، ترخان اور مغل دور خاص طور پر اہم ہیں، جن کی حکمرانی مختصر رہی مگر اثرات دیرپا۔ سندھ کے عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی نے ان ادوار کی بیگانگی، ظلم اور ثقافتی جبر کو علامتی انداز میں بیان کیا۔ ان کا ایک شعر سندھ کے اجتماعی درد کی ترجمانی کرتا ہے:

"پَیم پڑھانوں سے، بولی کی نہ بُجھیں
میں سندھی کا سعی کروں، وہ فارسیوں پوچھیں
میں بھی ملا تن، سرتیوں سور پرائیو"

یہ شعر ان غیر ملکی حکمرانوں کے رویے پر تنقید ہے جو سندھ پر قابض تو ہوئے، مگر نہ سندھی زبان کو سمجھا، نہ سندھی عوام کے جذبات و ثقافت کو۔ شاہ لطیف نے اس شعر میں سندھ کے عوامی درد، ثقافتی بیگانگی اور غلامی کے احساس کو علامتی انداز میں بیان کیا۔

ارغون خاندان کا تاریخی پس منظر

ارغون خاندان کا نسب چنگیز خان سے جا ملتا ہے۔ ذوالنون بیگ ارغون، سلطان حسین بایقرا کی طرف سے قندھار کا حاکم تھا۔ جب شایبانی خان کے ساتھ جنگ میں ذوالنون مارا گیا، تو اس کا بیٹا شاہ بیگ ارغون قندھار کا حاکم مقرر ہوا۔ بعد ازاں اس نے سندھ پر حملہ کر کے سمن خاندان کے آخری حکمران جام فیروز سے حکومت چھین لی۔ اس طرح 1520ء میں سندھ پر ارغون حکومت کا آغاز ہوا۔

سندھ پر حملے اور قبضے کی داستان

سبی کی جنگ (1485ء)

ارغونوں نے سبی پر حملہ کیا، جو سندھ کا اہم سرحدی شہر تھا۔ جام نظام الدین نے دریاء خان کو سبی واپس لینے کا حکم دیا۔ دریاء خان نے ارغونوں کو شکست دے کر سندھ کی حکمرانی بحال کی۔ اس جنگ میں ذوالنون کا بیٹا سلطان محمد مارا گیا۔

ٹھٹھہ کی جنگ (1520ء)

جام نظام الدین کی وفات کے بعد سندھ میں سیاسی انتشار پیدا ہوا۔ شاہ بیگ ارغون نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ٹھٹھہ پر حملہ کیا۔ دریاء خان نے بہادری سے مقابلہ کیا مگر شہید ہو گئے۔ ارغونوں نے ٹھٹھہ شہر کو نو دن تک لوٹا اور جلایا۔ بعد ازاں قاضی قادن کی اپیل پر قتل و غارت گری بند ہوئی اور جام

فیروز و شاہ بیگ کے درمیان صلح ہوئی۔ سندھ دو حصوں میں تقسیم ہوا: جنوبی سندھ جام فیروز کے زیرِ حکومت اور شمالی سندھ شاہ بیگ ارغون کے تحت۔

ارغون دور کے سماجی، ثقافتی اور سیاسی اثرات

ارغونوں کی حکومت نے سندھ کی سماجی، ثقافتی اور سیاسی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا:

- سندھ کے قلعے، دیہات، مال و دولت غیر ملکیوں کے قبضے میں چلے گئے۔
- خراسان سے آئے ہوئے امیر اور پناہ گزین سندھ کی امن پسند فضا کے لیے عذاب بن گئے۔
- سندھی زبان، ثقافت اور روایات کو نظرانداز کیا گیا۔
- عوام کے حوصلے، فکر اور خودی کو شدید نقصان پہنچا۔

شاہ لطیف کا مذکورہ شعر اسی بیگانگی اور ثقافتی جبر کی علامت ہے۔

شاہ حسن ارغون اور ترخانوں کا دور

شاہ بیگ کے بعد اس کا بیٹا شاہ حسن ارغون تخت نشین ہوا۔ اس نے ملتان فتح کیا، بکر اور سیہون کے قلعے مضبوط کیے۔ 1555ء میں اس کی وفات کے بعد ترخان خاندان نے سندھ پر قبضہ کر لیا۔ ارغون و ترخان دور مجموعی طور پر 36 سال پر محیط رہا، مگر اس کے اثرات سندھ پر آئندہ تین صدیوں تک محسوس کیے گئے۔

سندھ کی مزاحمت اور قربانیاں

دریاء خان کے بیٹے محمود خان، موٹن خان اور جام سارنگ نے مزاحمت کی۔ ٹلٹی کی جنگ میں سوڈھوں نے بے مثال بہادری دکھائی، مگر بڑی تعداد میں شہید ہوئے۔ شاہ بیگ نے باغبان، سیہون اور بکر میں بغاوتوں کو کچلا، مگر سندھ میں کبھی سکون سے نہ رہ سکا۔

خونی برج کا واقعہ

بکر میں دھاریجا قبیلے نے بغاوت کی، جسے میر فاضل اور سلطان محمود نے سختی سے دبایا۔ 27 سرداروں کو موقع پر سزا دی گئی، باقی کو رات کے وقت قتل کر کے دریائے سندھ میں پھینک دیا گیا۔ وہ برج جہاں سے لاشیں پھینکی گئیں، بعد میں "خونی برج "کہلایا۔

اختتامی کلمات

ارغون، ترخان اور مغل دور کی مختصر حکمرانی نے سندھ کی سماجی، سیاسی اور ثقافتی بنیادوں کو صدیوں تک متاثر کیا۔ شاہ لطیف کا شعر اس دور کی بیگانگی، ظلم اور سندھی شناخت کی پامالی کا گہرا اظہار ہے۔ سندھ کی تاریخ میں یہ دور غلامی، مزاحمت اور قربانیوں کا باب ہے، جسے یاد رکھنا اور سمجھنا آج بھی ضروری ہے۔

ہالانی کی جنگ: کلہوڑوں سے تالپوروں تک حکومتی تبدیلی کا تاریخی احوال

رک سندھی

تاریخی پس منظر

سندھ کی تاریخ میں ہالانی کی جنگ ایک اہم موڑ ہے، جس نے صرف دو خاندانوں کے درمیان اقتدار کی تبدیلی نہیں کی، بلکہ سندھ کے سیاسی، فوجی اور قبائلی نظام کو بھی نیا رخ دیا۔ مغل سلطنت کے کمزور ہونے کے بعد مقامی حکمرانوں کے لیے آزادی کے مواقع پیدا ہوئے۔ ان میں کلہوڑا خاندان سب سے نمایاں تھا۔

کلہوڑا حکمرانی کی ترقی

میاں یار محمد کلہوڑو، جو مذہبی پیشوا اور سیاسی رہنما دونوں حیثیتوں سے معروف تھے، نے 1701ء میں سندھ پر حکمرانی کی بنیاد رکھی۔ ان کی حکومت کا دارومدار قبائلی اتحاد، مذہبی اثر اور فوجی طاقت پر تھا۔ کلہوڑا دور میں سندھ ایک حد تک خودمختار تھا، مگر دربار کے اندر قبائلی اختلافات، مالیاتی بدانتظامی اور مرکزی فوجی کمزوری کے باعث حکمرانی میں دراڑیں پڑ گئیں۔

تالپوروں کا عروج

تالپور بلوچ دراصل کلہوڑوں کی فوج میں اہم عہدوں پر فائز تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کا سیاسی اثر بڑھتا گیا۔ تالپور سردار میر فتح علی خان کو قبائلی اتحاد منظم کرنے اور فوجی حکمت عملی میں مہارت حاصل تھی۔ جب کلہوڑے کمزور پڑ گئے، تو تالپور ایک طاقتور متبادل کے طور پر سامنے آئے۔

جنگ کا جغرافیائی اور سماجی منظرنامہ

ہالانی کا میدان، جہاں یہ جنگ لڑی گئی، آج موجودہ نیشنل ہائی وے کے قریب واقع ہے، اور تاریخی ریکارڈ کے مطابق یہ میدان چار دیہات پر پھیلا ہوا تھا:

1. پیر وتیو
2. ہالانی
3. بہلانی
4. نیا آباد

یہاں آج بھی دو اہم قبرستان موجود ہیں:

- **دلو مشائخ کا قبرستان** –جہاں کلہوڑوں کا پڑاؤ تھا اور پھانسی گھاٹ بھی موجود تھا، جسے مقامی لوگ "سُوری" کہتے ہیں۔
- **پیر بالو کا قبرستان** –تالپوروں کے پڑاؤ کی جگہ، جو ہالانی – محرابپور ریلوے لائن کے جنوب میں ہے۔

ان قبرستانوں اور اطراف کے مقامات پر آج بھی جنگ کی نشانیاں اور مقامی روایات زندہ ہیں، جو اس وقت کی خونریز لڑائی کو یاد دلاتی ہیں۔

فوجی تیاری اور صف بندی

کلہوڑا لشکر

- **تعداد :**تقریباً 30,000 سپاہی۔
- **قبائلی جتھے :**لیغی، کھوسہ، نومڑیا اور دیگر مقامی قوموں کے لوگ۔
- **اتحادی :**پٹھان سپاہی اور قلات کے خان کی فوج کے دستے۔
- **اہم رہنما:**
  - محمد حسن کھاوڑ (سپہ سالار(
  - دھنگانو خان جتوئی (ساہتی پرگنے کا گورنر(
  - بلاول لیغی (راجو لیغی کا بیٹا(

تالپور لشکر

- **تعداد :**ابتدائی طور پر تقریباً 6,000، لیکن قبائلی اتحاد کے ساتھ تقریباً 30,000۔
- **اہم رہنما:**
  - میر فتح علی خان تالپور (سردار اور سپہ سالار(
  - میر باگو خان، میر الہی یار خان، میر ٹھارو خان
  - میر سہراب خان، ننڈو خان بھرگڑی

جنگ کی تفصیلی روداد

1782ء میں دونوں لشکروں میں کشیدگی اپنی انتہا کو پہنچی۔ کلہوڑا لشکر نے "پیر ولی درویش" (دلو مشائخ) کے قبرستان

پر پڑاؤ ڈالا، جبکہ تالپور لشکر نے "پریالوء" میں مورچہ بندی کی۔

ابتدائی حملہ
جنگ کا آغاز سخت تیراندازی اور نیزہ بازی سے ہوا۔ تالپور فوج تعداد میں کم ہونے کے باوجود صف بندی اور حکمت عملی میں منظم تھی۔ میر فتح علی خان نے اپنی فوج کو چھوٹے اور تیز حرکت کرنے والے دستوں میں تقسیم کیا، جو دشمن کے کمزور مقامات پر حملے کرتے رہے۔

فیصلہ کن لمحہ
محمد حسن کھاوڑ نے کلہوڑوں کی طرف سے نہایت بہادری سے لڑائی لڑی، مگر ایک سخت مقابلے میں وہ میر فتح علی خان کے ہاتھوں مارا گیا، جس سے کلہوڑا لشکر کی قیادت کمزور پڑ گئی۔ اس کے ساتھ ہی پٹھان اور دیگر اتحادی بھی میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔

میاں عبدالنبی کا فرار
میاں عبدالنبی نے لشکر کی شکست دیکھ کر بھلاٹي کے قریب ایک تالاب میں پناہ لی، پھر کشتی کے ذریعے دریا پار کر کے ٹکروں کی طرف نکل گیا، اور آخرکار جودھپور پہنچ کر پناہ لی۔ وہ 1805ء میں راجن پور میں وفات پا گیا۔

نتائج اور سیاسی اثرات

1. **حکومتی تبدیلی :**کلہوڑوں کی 82 سالہ حکمرانی کا خاتمہ ہوا اور تالپوروں کا دور شروع ہوا (1783ء – 1843ء)۔

2. **قبائلی اتحاد کی اہمیت :**تالپوروں کی کامیابی ان کے قبائلی اتحاد، منظم فوجی حکمت عملی اور مقامی حمایت کے باعث ممکن ہوئی۔
3. **سیاسی استحکام :**ابتدائی تالپور دور میں نسبتاً امن قائم ہوا، مگر برطانوی اثر بتدریج بڑھتا گیا، جو آخرکار 1843ء میں سندھ پر برطانوی قبضے پر ختم ہوا۔

جنگ کے بعد کے واقعات

میر فتح علی خان نے نوشہرو فیروز میں فاتح کی حیثیت سے دربار لگایا، مخالف سرداروں کو معافی دی اور وفاداروں کو انعامات عطا کیے۔ کلہوڑا حامی کئی سردار تالپوروں کے ساتھ بیعت ہو گئے، جس سے ان کی حکمرانی مستحکم ہوئی۔

ضمیمہ: کلہوڑا اور تالپور حکمرانوں کے مختصر پروفائلز

کلہوڑا حکمران (1701ء – 1783ء)

1. میاں یار محمد کلہوڑو (1701ء – 1719ء) – حکمرانی کے بانی، مغل دور میں سندھ کے گورنر، زراعت اور آبپاشی میں اصلاحات۔
2. میاں نور محمد کلہوڑو (1719ء – 1755ء) – کلہوڑا حکومت کا عروج، فوجی توسیع، شہروں کی آبادکاری۔
3. میاں مرادیاب خان کلہوڑو (1755ء – 1758ء) – مختصر دور، قبائلی اختلافات۔
4. میاں غلام شاہ کلہوڑو (1758ء – 1772ء) – سیاسی قابلیت، پکا قلعہ تعمیر، نئے شہروں کی بنیاد۔

5. میاں سرفراز خان کلہوڑو (1772ء – 1775ء) – اندرونی سازشیں اور کمزوریاں۔
6. میاں عبدالنبی کلہوڑو (1775ء – 1783ء) – آخری حکمران، ہالانی میں شکست، جلاوطنی۔

تالپور حکمران (1783ء – 1843ء)

1. میر فتح علی خان تالپور (1783ء – 1801ء) – حکمرانی کے بانی، ہالانی کے فاتح، قبائلی اتحاد کے سربراہ۔
2. میر کرم علی خان تالپور (1801ء – 1828ء) – امن اور تعمیری منصوبوں کے حامی، حیدرآباد کی آبادکاری۔
3. میر مراد علی خان تالپور (1828ء – 1833ء) – تجارت کے فروغ کی کوششیں، برطانوی اثر کے تحت دور۔
4. میر نصیر خان تالپور (1833ء – 1843ء) – آخری حکمران، میانی اور ڈبی کی جنگوں میں شکست، سندھ پر برطانوی قبضہ۔

حوالہ جات

1. بریلوی، غلام رسول۔ *سندھ کی تاریخ میں کلہوڑے اور تالپور*۔ حیدرآباد: مہران اکیڈمی، 1985ء۔
2. لغاری، حفیظ۔ *ہالانی کی جنگ کا احوال*۔ ساہتیہ رسالہ، جنوری 1992ء۔
3. میمن، محمد صدیق۔ *نواب شاہ کے تاریخی مقامات*۔ نواب شاہ: ضلعی آرکائیو، 2003ء۔

تھر میں سوڈھا اور کولہی مزاحمت: برطانوی سامراج کے خلاف 16 سالہ جدوجہد

رک سندھی

تعارف

جب برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1843 میں سندھ پر حملہ کیا تو تالپور حکمرانوں پر ان کی تیز رفتار فوجی فتح نے خطے میں نوآبادیاتی تسلط کی بنیاد رکھ دی۔ لیکن دریائے سندھ کے کنارے آباد شہروں سے دور، تھر کے ریگستانی علاقے میں برصغیر کی تاریخ کی سب سے طویل اور پُرعزم مزاحمتی تحریکوں میں سے ایک کا آغاز ہوا۔
تھر کے سوڈھا راجپوت اور کولہی برادری—جن کی قیادت **روپلو کولہی، رانی کرن جی** اور **رتن سنگھ سوڈھا** جیسے جانبازوں نے کی—نے نئے سامراجی نظام کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔
سولہ برس (1843 تا 1859) تک یہ مزاحمت محض قبائلی جذبے، غیر معمولی جرات اور آزادی کے شوق سے جاری رہی، اور تھر برطانوی حکمتِ عملی کے لیے ایک ایسا کانٹا بن گیا جسے وہ آسانی سے نہیں نکال سکے۔

تھر کا جغرافیہ اور اس کی اسٹریٹجک اہمیت

تھر کا صحرا، جو آج کے سندھ، راجستھان اور کچھ میں پھیلا ہوا ہے، محض بنجر زمین نہیں تھا۔ اس کی کٹھن زمین، کم پانی کے ذخائر، اور ریت کے پھیلے ہوئے ٹیلے مقامی لوگوں کے لیے فطری قلعہ تھے۔ **کارونجھر پہاڑیاں**—جو ناگرپارکر میں اچانک میدانی علاقے سے ابھرتی ہیں—مقامی جنگجوؤں کے لیے محفوظ پناہ گاہ اور مستحکم مورچہ ثابت ہوئیں۔
ایسے ماحول میں، برطانوی فوج کی ٹیکنالوجی پر مبنی برتری اکثر مقامی جغرافیے کے ماہر جنگجوؤں کی چالاکیوں کے سامنے کمزور پڑ جاتی تھی۔

برطانوی قبضے کا پس منظر اور ابتدائی مزاحمت

سندھ کے الحاق کے بعد برطانوی حکام نے تھر میں نئی انتظامی تقسیم کی:

- **1844**: پارکر اور کانٹھو (جس میں مٹھی اور ڈیپلو شامل تھے) کا انتظام کچھ کے اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ ریکس کے سپرد کیا گیا۔ تھر گڑھی، چھاچھرو اور عمرکوٹ میرپورخاص کے ڈپٹی کلیکٹر کے ماتحت آ گئے۔
- مقامی سرداروں کے روایتی حقوق ختم کر دیے گئے۔
- چراگاہ ٹیکس اور آمدنی کے نئے محصولات نافذ کیے گئے، جس سے قبائلی خودمختاری اور معاشی آزادی چھین لی گئی۔

یہ اقدامات سوڈھا راجپوت اور کولہی سرداروں کے لیے ناقابلِ قبول تھے۔ **1846** میں **رتن سنگھ سوڈھا** نے برطانوی حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کی قیادت کی۔ اگرچہ جنگ فیصلہ کن

نہ تھی، برطانوی حکام نے بعد میں اسے دھوکے سے گرفتار کر کے 1866 میں پھانسی دے دی۔

روپلو کولہی اور گوریلا جنگ کی قیادت

اصل مزاحمتی لہر **15اپریل 1859** کو ابھری، جب **روپلو کولہی**—ایک غیر معمولی جنگی حکمتِ عملی رکھنے والے سپہ سالار—نے برطانوی سلطنت کے خلاف کھلی بغاوت کا اعلان کیا۔

- انہوں نے **8,000سے زائد کولہی جانبازوں** کو منظم کیا، سرکاری دفاتر پر حملے کیے، انتظامی ریکارڈ نذرِ آتش کیا اور خزانوں پر قبضہ کیا۔
- تین مواقع پر، ان کی فوج نے برطانوی دستوں کو شکست دی، رات کے چھاپوں، اچانک حملوں اور پہاڑی دروں کے کمالی استعمال سے دشمن کو پسپا کیا۔

جوابی کارروائی میں، کرنل ایوانز نے حیدرآباد سے **تیسری بلوچ رجمنٹ**، توپ خانہ اور کمک کے ساتھ پیش قدمی کی، لیکن مہینوں تک روپلو کے گوریلا دستے انہیں ناکام بناتے رہے۔

کارونجہر اور چاندن گڑھ کا محاصرہ

کارونجہر کی بلندی پر واقع **چاندن گڑھ** اس مزاحمت کی علامت بن گیا۔ **3مئی 1859** کو برطانوی توپوں نے شدید گولہ باری کے بعد اس کے قلعہ بند حصے کو منہدم کر دیا۔ روپلو کے

ساتھی صحرا کی گہرائیوں میں بکھر گئے، مگر اگست کے آخر تک چھاپہ مار کارروائیاں جاری رہیں۔

دیگر رہنما اور نمایاں کارنامے

یہ جدوجہد صرف ایک شخص تک محدود نہ تھی۔ **رانی کرن جی، راجہ لدھو سنگھ ویرواہ، بھوپت سنگھ،** اور **اُدھی سنگھ سوڈھا** جیسے رہنماؤں نے بھی جرأت مندانہ کردار ادا کیا۔

- اُدھی سنگھ نے برطانوی جیلوں سے قیدی آزاد کروائے اور کرنل ٹروٹ کے کیمپ پر شب خون مارا، جس میں کرنل کو جان بچا کر بھاگنا پڑا۔
- رانی کرن جی کئی ماہ تک برطانوی گرفت سے بچتی رہیں، لیکن بعد میں غداری کے باعث گرفتار ہو کر کالا پانی (انڈمان جزائر) بھیج دی گئیں۔

غداری اور انجام

پانچ ماہ کی شدید جدوجہد کے بعد، روپلو کولہی گرفتار ہو گئے۔ رشوت اور دھمکیوں کے باوجود انہوں نے کبھی رانی کرن جی کا ٹھکانہ ظاہر نہ کیا۔ آخرکار مقامی غداروں—**سیٹھ مہاؤ جی لوہانی** اور **ہنس پوری باوی**—نے رہنماؤں کو دھوکے سے پکڑوایا، اور برطانوی حکومت نے مزاحمت کے ڈھانچے کو توڑ دیا۔
مزاحمت کرنے والے سرداروں کی زمینیں ضبط کر لی گئیں، جبکہ غداروں کو انعام میں جاگیریں اور مالی مراعات ملیں۔

اگست 1859 تک برطانوی پارکر پر قابض ہو چکے تھے، مگر اس طویل مہم نے ان کے وسائل اور فوجی وقار کو سخت

نقصان پہنچایا۔ روپلو کولہی کی پھانسی کے ساتھ تھر کی مسلح جدوجہد کا باب بند ہوا۔

وراثت

تھر کے سوڈھا، کولہی، بھیل اور کھوسہ قبائل نے کسی سلطنت کی وسعت کے لیے نہیں بلکہ عزت، خودمختاری اور اپنی طرزِ زندگی کے تحفظ کے لیے لڑائی لڑی۔ ان کی قربانیوں اور بہادری کی داستان جنوبی ایشیائی مزاحمتی تاریخ کا سنہری باب ہے۔
آج بھی سندھ میں روپلو کولہی کا نام ایک شہید کے طور پر زندہ ہے، جس نے غلامی پر موت کو ترجیح دی۔ کارونجھر کی پہاڑیاں آج بھی اس کی داستان سناتی ہیں اور یہ یاد دلاتی ہیں کہ آزادی کی پیاس ریگستانوں میں بھی کبھی نہیں بجھتی۔

تارا بائی: سندھ کی بیٹی، تخت کی محافظ

رک سندھی

جب دریائے سندھ کی لہریں چاندنی میں چمکتی تھیں، اور سومرا قلعے کی دیواریں وقت کے رازوں کو چھپائے بیٹھی تھیں — تب ایک بیٹی نے تاریخ کا رخ موڑا۔

دودو سومرو کی وفات کے بعد، قلعے میں خاموشی تھی۔ سنگھار ابھی بچہ تھا، اور تخت خالی۔ درباریوں کی نظریں ایک دوسرے سے سوال کرتی تھیں" :اب کون؟"

تب تارا بائی آگے بڑھی۔ نہ تلوار اٹھائی، نہ نعرہ لگایا — صرف وقار، عقل اور اعتماد کے ساتھ۔ اس نے تخت پر قدم رکھا، اور سندھ نے پہلی بار دیکھا کہ قیادت صرف مردوں کی میراث نہیں۔

ایک عورت، ایک ریاست

تارا بائی نے فیصلے کیے جیسے کوئی ماں اپنے بچوں کے لیے کرتی ہے — نرمی سے، مگر مضبوطی سے۔ اس نے امن قائم کیا، بغاوتوں کو دبایا، اور وہ سب کچھ کیا جو ایک بادشاہ کرتا ہے — مگر وہ بادشاہنی نہیں، "بادشاہی "تھی۔

اس کے دربار میں وزیروں نے سر جھکایا، سرداروں نے وفاداری نبھائی، اور عوام نے سکون پایا۔ وہ نہ صرف حکمران تھی، بلکہ سندھ کی روح تھی — نرم، مگر ناقابلِ شکست۔

اقتدار سے رخصت

جب سنگھار جوان ہوا، تارا بائی نے تخت چھوڑ دیا — بغیر جنگ، بغیر ضد۔ جیسے کوئی شمع اگلی شمع کو روشنی دے کر خود خاموش ہو جائے۔ یہ اس کی عظمت تھی: اقتدار کو خدمت سمجھنا، ملک کو اولاد کی طرح پالنا۔

تاریخ کی خاموش آواز

کتابوں میں اس کا نام کبھی "زینب "لکھا گیا، کبھی "تارا — " مگر اصل پہچان اس کی روشنی ہے، جو آج بھی سندھ کے

آسمان پر جگمگاتی ہے۔ رضیہ سلطانہ سے پہلے، برصغیر کی پہلی خاتون حکمران — مگر افسوس، تاریخ نے اسے وہ مقام نہ دیا جو وہ حق رکھتی تھی۔

آج کی تارا بائی

تارا بائی صرف ماضی کی کہانی نہیں، وہ آج کی عورت کی علامت ہے — جو قیادت کر سکتی ہے، قربانی دے سکتی ہے، اور وقت آنے پر خاموشی سے پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ وہ ہمیں سکھاتی ہے کہ اقتدار کا اصل حسن خدمت میں ہے، اور قیادت کا اصل جوہر وقار میں۔

دودو سومرو کی بیٹی کویل: وطن کے لیے قربانی اور فخر کی علامت

رک سندھی

سومروں کا دور اور سندھ کی آزادی

سندھ میں سومروں کا دور (1011ء – 1351ء) تاریخ کا ایک سنہری باب ہے، جس میں وطن آزادی، بہادری اور سیاسی بصیرت کے ساتھ روشن نظر آتا ہے۔ عربوں کی تین صدیوں پر محیط غیر ملکی حکمرانی کے بعد، سندھ کو سومروں کی صورت میں اپنا مقامی اقتدار حاصل ہوا۔ اس خاندان نے نہ صرف 340 برس تک حکمرانی کی بلکہ سندھ کے سماج، ادب، زبان اور ثقافت پر بھی گہرے اثرات چھوڑے۔ اس دور میں سندھ کے ساحلی شہر اور بندرگاہیں، مثلاً **لاہری بندر**، بین الاقوامی تجارت کے بڑے مراکز تھے اور ملک خوشحال و پرسکون تھا۔

سومروں کی حکمرانی میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ ان عورتوں نے اپنی دانش اور بہادری سے ایسے نقوش چھوڑے، جو آج بھی سندھ کے لیے باعثِ فخر ہیں۔ انہی میں سے ایک نام ہے **کویل**، جو دودو سومرو کی بیٹی اور ننگر سومرو کی منگیتر تھی۔

کویل کون تھی؟

تاریخی حوالوں کے مطابق کویل دودو سومرو کی بیٹی تھی، جس کا منگنی بچپن ہی میں چنیسر کے بیٹے ننگر سے ہوگیا تھا۔ بعض مؤرخین نے اس کے نام **صفیہ**، **سونل یا دادلی** بھی لکھے ہیں، لیکن زیادہ تر محققین اسے **کویل** کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سندھ میں پیار اور محبت سے کئی نام رکھنے کی روایت قدیم ہے، مگر "کویل" اس کی اصل پہچان بن گئی۔

کویل کی زندگی کا ذکر زیادہ تر اُس وقت سامنے آتا ہے، جب دودو اور چنیسر کے درمیان اقتدار کا جھگڑا ہوا۔ دودو نے چنیسر کو واپس پرچانے کے لیے اپنی بیٹی کے رشتے کی یاد دلائی، لیکن چنیسر نے غیر ملکی لشکر کا ساتھ دے کر وطن سے غداری کی۔ اس کے برعکس، اس کا بیٹا ننگر سومرو وطن کے دفاع کے لیے ڈٹ گیا اور شہید ہوگیا۔

ننگر سومرو اور کویل کا فخر

ننگر سومرو غیرت اور بہادری کی علامت تھا۔ اُس نے دشمن کے مقابلے میں وطن کی عزت کے لیے اپنی جان قربان کرنے میں کوئی تامل نہ کیا۔ جب ننگر شہید ہوا اور اس کی لاش گھر لائی گئی تو کویل نے بین اور ماتم نہیں کیا بلکہ سر اُونچا کرکے فخر سے کہا کہ جو لوگ وطن کے لیے جان قربان کرتے ہیں، وہ کبھی نہیں مرتے بلکہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

کویل نے اپنے شہید شوہر کے جسد خاکی پر چکر لگا کر اسے الوداع کیا۔ یہ رسم محض غم یا رونے کا اظہار نہ تھی، بلکہ وطن سے عشق، غیرت اور بہادری کی علامت تھی۔

کویل کا تاریخی کردار

سندھ کی تاریخ میں کویل ایک ایسی بہادر خاتون کے طور پر یاد کی جاتی ہے، جس نے اپنے ذاتی دکھ کو پسِ پشت ڈال کر وطن کی عظمت کو سب سے زیادہ اہمیت دی۔ وہ اُن خواتین میں شمار ہوتی ہے جنہوں نے سندھی عورت کو جدوجہد اور غیرت کی علامت بنایا۔ تارا بائی، ہمون بائی، باگھل بائی، ساران اور مالہا کی طرح کویل بھی سندھ کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔

نتیجہ

دودو سومرو کی بیٹی کویل کا کردار سندھی عورت کی تاریخی عظمت اور غیرت کا عکس ہے۔ اُس نے اپنے شہید شوہر ننگر سومرو کی قربانی کو ماتم کے بجائے فخر کے ساتھ قبول کیا اور یہ پیغام دیا کہ **جو قربانی وطن کے لیے دی جاتی ہے، وہ کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔**

خاصائی کی جنگ: سندھ کے سورماؤں کی مزاحمت کی داستان

رک سندھی

خاصائی کی جنگ سندھی عوام اور ارغون قابض افواج کے درمیان موجودہ ضلع جامشورو کے گاؤں خاصائی کے مقام پر لڑی گئی تھی۔ اس گاؤں کی ایک اور اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے قریب سندھ کے نامور جرنیل **دولہہ دریاء خان** کی اوطاق (ماڑی) موجود تھی۔ یہ اوطاق گوپانگ ریلوے اسٹیشن کے قریب آج بھی خستہ حالت میں موجود ہے، جسے مقامی لوگ *دولہہ دریاء خان کی ماڑی* یا *اوطاق* کہتے ہیں۔ پیر علی محمد راشدی نے اپنی کتاب *اُھي ڏينھن اُھي شينھن* میں لکھا ہے کہ جب دولہہ دریاء خان، جو سمن دور کا سپہ سالار تھا، ٹھٹھہ (اس وقت کا دارالحکومت) سے باغبان ٹلٹی اپنے گاؤں جاتا تھا تو اسی ماڑی میں قیام کرتا تھا۔

ارغون دور کی پس منظر

ارغون خاندان نے 1520ء سے 1555ء تک سندھ پر حکومت کی۔ اس سے پہلے سندھ پر سمن جامن کی آزاد حکومت قائم

تھی، جسے 1520ء میں ختم کر دیا گیا۔ شاہ بیگ ارغون کے بعد اس کا بیٹا مرزا شاہ حسن ارغون سندھ کے تخت پر بیٹھا۔

مانجھنداور خاصائی

ضلع جامشورو کے تعلقہ مانجھند کا تاریخی گاؤں خاصائی ہے۔ مانجھند شہر دو بار دریائے سندھ کے طغیانی میں بہہ چکا ہے اور موجودہ مانجھند تیسری بار آباد ہوا۔ قدیم دور میں دریائے سندھ کی وجہ سے یہ علاقہ ایک بڑا تجارتی مرکز تھا اور یہاں کے لوگ دنیا بھر میں ''سندھ ورکی'' کہلاتے تھے۔ ان کا تجارتی نیٹ ورک جاوا، سری لنکا، گجرات، روم، ایران، عراق، افریقہ اور یورپ تک پھیلا ہوا تھا۔ مانجھند میں خوبصورت عمارتیں اور تاریخی آثار موجود تھے۔

اسی تعلقہ میں **رنی کوٹ قلعہ** بھی واقع ہے، جو "دیوار سندھ" کے نام سے مشہور ہے اور آج ایک اہم سیاحتی مرکز ہے۔ اسی علاقے کا ایک اور تاریخی پہلو یہ ہے کہ **شہید مخدوم بلاول** کو بھی ارغونوں نے یہاں ہی گھنے میں پیس کر شہید کیا تھا۔ ان کے پیروکار سید حیدر سنائی نے بھی ارغونوں کے خلاف سخت مزاحمت کی۔ اس طرح یہ علاقہ بھی سندھ کے دوسرے حصوں کی طرح ہمیشہ حملہ آوروں کے خلاف لڑائی کا مرکز رہا۔

خاصائی کی جنگ

خاصائی کے مقام پر سندھی عوام نے ارغونوں کے خلاف بھرپور مزاحمت کی۔ ارغونوں نے سندھ پر قبضے کے بعد مقامی لوگوں پر جبری محصولات عائد کیے اور لوٹ مار شروع کی، جس کے نتیجے میں سندھیوں نے بغاوت کی۔ یہ

جنگ سندھ کی آزادی کے تحفظ اور غلامی کے انکار کی علامت بن گئی۔

سندھی فوج کے درجنوں بہادر جوانوں نے شجاعت کے ساتھ لڑتے ہوئے ارغونوں کو شکست دی اور انہیں پسپا کیا۔ مگر ایک مرحلے پر غداری کے باعث جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور سیکڑوں جوانوں کی شہادت کے باوجود جنگ ہار گئے۔

غداری اور عوامی رائے

علاقے کے بزرگوں کے مطابق غداری کسی پوری برادری نے نہیں کی بلکہ چند افراد نے ذاتی فائدے کے لیے ارغونوں کی مدد کی۔ بعد میں ان غداروں کو معاشرتی بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا اور تاریخ میں ان کے نام تک مٹ گئے۔

عوامی قربانیاں

اس جنگ میں دولہہ دریاء خان کے پیروکاروں نے بھی بڑی تعداد میں حصہ لیا، کیونکہ اس علاقے میں ان کا اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا۔ ان کے علاوہ انڑپور، بدھپور، بیلو انڑ، آمری، مانجھند، بھورو واہ، ڈابھری، جھلو، کاچو، لاکڑي، لکی، نورپور، راچڑي، سن، ٹیباٹ سمیت کئی علاقوں کے عوام نے اپنی سرزمین کے تحفظ کے لیے قربانیاں دیں۔

شریک برادریاں

اس جنگ میں **مانجھند برادری**، **پنپرا**، **چاچڑ**، **گائینچا**، **کماٹ**، **کوریجا**، **لاکا ۽ راچڑ** برادریاں نمایاں طور پر ارغونوں کے خلاف میدان میں اتریں۔ ان کے بزرگوں کی روایت ہے کہ

اگرچہ وہ جدید اسلحہ اور فوجی تجربے سے محروم تھے مگر سندھ کے بیٹوں نے اپنی بہادری سے دشمن کو لرزا دیا۔

نتیجہ

خاصائی کی یہ جنگ سندھ کی عوامی مزاحمت کا عظیم نشان ہے۔ اگرچہ جنگ کا انجام شکست پر ہوا، مگر اس میں دی گئی قربانیاں اور بہادری آج بھی سندھ کی تاریخ میں فخر کا مقام رکھتی ہیں۔ سندھ آج بھی ان شہیدوں پر ناز کرتا ہے جنہوں نے وطن کے تحفظ کے لیے اپنی جانیں قربان کیں۔

بڈامانی پنرو: سندھ کی تاریخ کا ایک بہادر کردار

رک سندھی

سندھ کی تاریخ ہمیشہ بہادری، قربانی اور مزاحمتی کرداروں سے بھری رہی ہے۔ وطن کی آزادی اور غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف جدوجہد کرنے والے سورما آج بھی سندھ کی اجتماعی یادداشت میں زندہ ہیں۔ انہی میں سے ایک نامور اور امر کردار **بڈامانی پنرو** بھی ہے، جس نے ارغونوں جیسے طاقتور لشکر کو شکست دے کر سندھ کی سرزمین پر اپنی بہادری کا نقش چھوڑا۔

تاریخی پس منظر

سمن خاندان کے دورِ حکومت کے آخری زمانے میں، جب سندھ اور کاچھ کے سرحدی علاقوں پر ارغونوں کی یلغار بڑھنے لگی، اس وقت کاچھ کے ”بڈام“ نامی علاقے میں ایک بہادر سردار ”پنرو“ رہتا تھا۔ تاریخ میں وہ ”بڈامانی پنرو“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بعض مؤرخین کے مطابق ”بڈام“ اس کے رہائشی علاقے کا نام تھا، جبکہ کچھ کا خیال ہے کہ اس کی ذات بھی بڈام تھی۔ بہرحال، پنرو اپنی شجاعت، غیرت اور وطن دوستی کے سبب اپنے زمانے کا ایک عظیم سردار تھا۔

ارغونوں کی یلغار اور پنرو کا ردِعمل

روایت ہے کہ ایک مرتبہ جب پنرو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مال مویشی کھیسنے گیا ہوا تھا، تو ارغون لشکر نے اس کے قلعے پر حملہ کر دیا۔ قلعے میں صرف بوڑھے مرد اور نوجوانوں میں پنرو کا ایک بھائی موجود تھا۔ اس نے بڑی بہادری سے دشمن کو روکا مگر بالآخر لڑتے لڑتے شہید ہوگیا۔ ارغون قلعے میں گھس آئے، سارا مال لوٹ لیا اور عورتوں کو بھی قید کر کے ساتھ لے گئے۔ ان میں پنرو کی والدہ، بہن ”املہ“ اور ایک سنہری عورت (سوناری) بھی شامل تھی، جس سے پنرو کو خاص محبت تھی۔

جب پنرو واپس آیا اور اسے یہ الم ناک خبر ملی کہ اس کا بھائی شہید ہوگیا ہے اور اس کی ماں اور بہن دشمن کے قبضے میں ہیں، تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ فوراً دشمن کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ پہاڑی گھاٹی میں اس نے ارغونوں پر حملہ کیا اور بہادری سے انہیں شکست دی۔ کئی قیدی عورتوں کو آزاد کرایا، لیکن اس کی بہن املہ اور محبوبہ سوناری لشکر کے اگلے حصے میں تھیں، جو بچ نکلے۔

بہن املہ کی آزادی

پنرو نے اپنی بہن املہ کی تلاش جاری رکھی۔ ایک دن ایک فقیر نے اطلاع دی کہ املہ فلاں شہر میں قید ہے۔ پنرو فوراً اپنی وفادار گھوڑی ”نیلوفری“ پر اکیلا روانہ ہوا۔ دشمن کے شہر پہنچ کر اس نے اپنی بہن کو آزاد کرایا اور بخیریت واپس کاچھ

آگیا۔ املہ کی رہائی بھائی اور بہن کے رشتے کی عظیم مثال ہے۔

محبوبہ سوناری کی رہائی

پنرو کا دل پھر بھی بے چین رہا، کیونکہ اس کی محبوبہ سوناری ابھی تک قید میں تھی۔ کچھ عرصے بعد اسے خبر ملی کہ سوناری فلاں مقام پر ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گیا، سخت لڑائی کے بعد دشمن کو شکست دی اور سوناری کو بھی آزاد کرا کے واپس کاچھ لے آیا۔ یہ واقعہ اس کی شجاعت اور عشق دونوں کا شاہکار ہے، جو سندھ کی لوک کہانیوں میں ہمیشہ کے لیے امر ہوگیا۔

بڈامانی خاندان

بڈامانی خاندان کا اصل مسکن بدین، دیپلی اور مٹھی کے سرحدی علاقے تھے، جو کاچھ کا حصہ تھے۔ بعد ازاں یہ خاندان لَد کر "بنگار" کے علاقے میں آباد ہوا، جہاں آج بھی "بڈامنیوں کا قبرستان" موجود ہے، جو اس بہادر قوم کی یادگار ہے۔

شاہ لطیف کے کلام میں پنرو

سندھ کے عظیم شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی نے بھی بڈامانی پنرو کی بہادری کو اپنے سروں میں امر کردیا ہے۔ شاہ سائیں

کے اشعار میں پنرو کی للکار، جدوجہد اور قربانی واضح جھلک ڏئي ٿي:

اڄ گھرجين تون ٻداماڻي پنرا
مٿي مٿان مون، ويرين واڻون ٿاهيون

نتیجہ

بڈامانی پنرو صرف کاچھ کا سردار نہیں تھا بلکہ سندھ کی تاریخ میں آزادی، مزاحمت اور غیرت کا ایک لازوال نشان ہے۔ اس نے نہ صرف ارغونوں جیسے طاقتور دشمنوں کے خلاف تلوار اُٹھائی بلکہ اپنی ماں، بہن اور محبوبہ کو بھی قید سے آزاد کرایا۔ اس کا کردار سندھ کی لوک روایات، داستانوں اور شاہ لطیف کے کلام میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

حوالہ جات:

- میر علی شیر قانع، *تحفة الکرام*
- ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، *سندھی لوک داستانیں*
- شاہ عبداللطیف بھٹائی، *شاہ جو رسالو*

ارغونوں کے حملے اور ملتان کا المیہ: جب لوگ کتے اور بلیاں کھانے پر مجبور ہوئے

رک سندھی

تمہید

سندھ اور ملتان کی تاریخ بیرونی حملہ آوروں کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ ہر نیا حملہ آور صرف سیاسی غلبہ حاصل کرنے نہیں آتا تھا بلکہ عوام کے وسائل کو لوٹنے اور ان کی مزاحمتی قوت کو توڑنے کے لیے بھی کوشاں رہتا تھا۔ انہی دوروں میں سے ایک دور **ارغون خاندان** کا ہے۔ مرزا شاہ حسن ارغون (1524ء–1555ء) کی حکومت خاص طور پر عوام کے لیے ایک انسانی المیہ ثابت ہوئی، جس میں ملتان کا ایک سالہ محاصرہ سب سے زیادہ دل دہلا دینے والا باب ہے۔

شاہ حسن ارغون کے اقتدار کا پس منظر

1524ء میں شاہ بیگ ارغون کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مرزا شاہ حسن تخت نشین ہوا۔ نصرپور میں تخت نشینی کے بعد اس نے اپنی حکومت کو خالصتاً فوجی طاقت کی بنیاد پر استوار

کیا۔ اس نے ٹھٹہ پر حملہ کیا، جام فیروز کو شکست دے کر بھگا دیا اور پھر بدین و گچھ کے ساتھ معرکے لڑے۔

تاریخ معصومی میں درج ہے:

"مرزا شاہ حسن کی فوج نے ٹھٹہ پر حملہ کرکے شہر پر قبضہ کیا۔ جام فیروز بھاگ کر گچھ چلا گیا اور اس کے بعد سندھ کی ساری حکومت ارغونوں کے قبضے میں آگئی۔"
(تاریخ معصومی، ص 112)

ملتان کی جانب فوجی مہم

بکر میں اقتدار مضبوط کرنے کے بعد مرزا شاہ حسن کی توجہ ملتان کی طرف ہوئی۔ اس وقت وہاں **لانگاہ خاندان** کی حکومت تھی جو اندرونی کمزوریوں کا شکار تھی۔ مرزا شاہ حسن کے لیے ملتان پر قبضہ معاشی اور فوجی دونوں اعتبار سے ضروری تھا۔

طبقات اکبری میں لکھا ہے:

"ملتان کے حاکم حسین لانگاہ کی حکومت کمزور تھی۔ مرزا شاہ حسن ارغون نے اس موقع کو غنیمت جانا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔"
(طبقات اکبری، جلد دوم، ص 245)

ملتان کا ایک سالہ محاصرہ

1526ء کے آخر میں ارغونوں نے ملتان کا محاصرہ کیا۔ حسین لانگاہ نے کئی بار صلح کی کوشش کی، مگر شاہ حسن نے انکار کر دیا۔ محاصرہ ایک سال تک جاری رہا۔

- شہر میں اناج بالکل ختم ہوگیا۔
- لوگ رب اور شوروا بنا کر گزارا کرنے لگے۔
- آخرکار شہر کے باسی **کتے اور بلیاں کھانے پر مجبور ہوگئے۔**

تاریخ معصومی میں اس کا ذکر یوں ملتا ہے:

"محاصرے کی وجہ سے شہر کے لوگ بھوک سے نڈھال تھے۔ اناج نایاب ہوگیا۔ حیوانات کا گوشت، بلکہ کتوں اور بلیوں کو بھی گوشت کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔"
(تاریخ معصومی، ص 118)

قلعے کا سقوط اور قتلِ عام

15جنوری 1527ء کو ارغونوں نے لوہے کا دروازہ توڑ کر قلعے میں داخل ہوکر قتلِ عام اور لوٹ مار شروع کی۔ یہ خونی سلسلہ بارہ دن تک جاری رہا۔

طبقات اکبری میں اس قتلِ عام کی تفصیل یوں درج ہے:

"جب دروازہ ٹوٹا تو لشکر اندر داخل ہوا۔ مرد، عورت اور بچے، کسی کو نہیں بخشا گیا۔ بہت سے لوگوں کو خانقاہوں اور درگاہوں میں تلاش کرکے قتل کیا گیا۔"
)طبقات اکبری، جلد دوم، ص 247(

سلطان محمود لانگاہ کے بیٹے حسن اور اس کی بیٹی کو قید کرلیا گیا۔ بیٹی کو زبردستی شادی کے لیے حوالے کیا گیا، جو عوام کے لیے مزید توہین کا باعث تھا۔

تاریخی و تحقیقی جائزہ

ملتان کے محاصرے اور قتلِ عام کے تذکرے مختلف تاریخی ماخذوں میں موجود ہیں۔ سب مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ محاصرہ عوام کے لیے ایک انسانی المیہ تھا۔

1. **تاریخ معصومی** اسے عوامی بے بسی کا باب قرار دیتی ہے۔
2. **طبقات اکبری** ارغونوں کی بے رحمی کی تفصیلات پیش کرتی ہے۔
3. مقامی روایات میں ملتان کے لوگوں کی بھوک اور پیاس کو ایسا عذاب کہا گیا ہے جو صرف خارجی ظلم کی وجہ سے نازل ہوا۔

نتیجہ

شاہ حسن ارغون کی حکومت مسلسل جنگوں، قتل اور لوٹ مار میں گزری۔ اس کا سب سے بڑا جرم ملتان کا ایک سالہ محاصرہ تھا، جہاں لوگ بھوک کے ہاتھوں کتے اور بلیاں کھانے پر مجبور ہوگئے۔

یہ واقعہ صرف ایک تاریخی یادگار نہیں بلکہ ایک سبق بھی ہے کہ جب بیرونی حکمرانوں کے خلاف مقامی اتحاد کمزور

ہوجائے تو عوام کو بدترین بربادی اور بے بسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حوالہ جات:

1. میر محمد معصوم بکھری، *تاریخ معصومی*، ایڈیشن 1938ء، ص 112–118۔
2. ابو الفضل، *طبقات اکبری*، جلد دوم، کلکتہ ایڈیشن 1877ء، ص 245–247۔

جب سکندرِ اعظم نے ماچھی قبیلے کے جنگجو بادشاہ کو اروڑ میں پھانسی دی

رُک سندھی

تعارف

دنیا کی تاریخ ماچھیمیں کئی فاتحین نے اپنے نام رقم کیے، مگر کوئی بھی ایسا نہ تھا جسے ہر سرزمین پر بغیر مزاحمت کے فتح حاصل ہوئی ہو۔ مقدونیہ کا بادشاہ سکندر، جسے مغرب میں "سکندرِ اعظم "کہا جاتا ہے، نے صرف تیرہ سالہ فوجی مہم میں ایران، مصر، افغانستان، پنجاب اور آخرکار سندھ تک اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ مگر جب وہ وادئ سندھ میں داخل ہوا، تو یہاں کے لوگوں کی آزادی کی روح اور بہادری نے اسے ایسے زخم دیے جو اس کی آخری سانس تک اس کے ساتھ رہے۔

سکندر کا حملہ اور سندھ کا پس منظر

356قبلِ مسیح میں پیدا ہونے والا سکندر 326 قبلِ مسیح میں وادئ سندھ کی طرف بڑھا۔ پنجاب کے کئی حکمرانوں نے اس کے آگے سر جھکا دیا، مگر سورما جیسے پورس نے مزاحمت کی راہ اختیار کی۔ یونانی مؤرخ پلٹارک لکھتا ہے:

"پورس کی فوج میں سب سے بہادر جنگجو سندھ کے کھتری اور مالی قبیلے کے لوگ تھے، جنہوں نے سکندر کو زخمی کیا اور اس کی فوج کا حوصلہ توڑ دیا۔"

ملتان میں مالی (مالہی) قبیلے نے 900 جنگی ہاتھیوں اور ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ سکندر کا سامنا کیا۔ اسی جنگ میں سکندر کو تیر لگا اور وہ شدید زخمی ہوا۔

سندھ میں مزاحمت

محمد ابراہیم جوئیو اپنی کتاب *شاہ، سمی اور سچل* میں لکھتے ہیں:

"325 قبلِ مسیح میں جب سکندر سندھ میں داخل ہوا، تو برہمنوں نے بار بار عوام کو حملہ آور کے خلاف اٹھنے کی تلقین کی۔ سندھ میں ایک روحانی قوت چھپی ہوئی تھی جو لوگوں کے حوصلے کو زندہ رکھتی تھی۔ یہی قوت تھی جس نے سندھیوں کو ہر گاؤں اور بستی میں سکندر سے لڑنے پر آمادہ کیا۔"

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے مطابق:

"سکندر جہاں بھی سندھ سے گزرا، مقامی لوگوں نے سخت مزاحمت کی۔ سندھ کے حکمرانوں کے پاس 2 لاکھ پیادہ فوج، 20 ہزار سوار، اور 4 ہزار جنگی ہاتھی تھے۔ ایسی زبردست فوج کے ہوتے ہوئے سکندر کے لیے فتح آسان نہ تھی۔"

ماچھی قبیلے کا بادشاہ — آزادی کی علامت

اروڑ (الور) میں ماچھی قبیلہ، جسے یونانی مؤرخین *Massicans* کہتے ہیں، سکندر کی فوج کے خلاف ڈٹ گیا۔ ان کے بہادر بادشاہ نے خود اپنی فوج کی قیادت کی اور دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑا ہوا۔

اس جنگ میں سکندر کے سینکڑوں سپاہی مارے گئے۔ یونانی مؤرخ اریئن لکھتا ہے:

"Massicans"کی مزاحمت نے سکندر کو شدید نقصان پہنچایا۔"

مگر جدید ہتھیاروں اور منظم فوج کی کمی کے باعث ماچھی قبیلہ شکست کھا گیا۔ بادشاہ کو گرفتار کر لیا گیا، اور سکندر نے حکم دیا کہ اسے اروڑ کے مرکزی چوک میں برہمنوں کے ساتھ سرِعام پھانسی دی جائے۔

یہ منظر سندھ کی تاریخ میں ایک لازوال یاد بن گیا—ایک بادشاہ جس نے اپنی سرزمین کے لیے جان دے دی مگر سکندر کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔

سیہون اور مانچھَر کے ماہی گیروں کی مزاحمت

سیہون میں راجا سمبس اور برہمنوں نے عوام کی قیادت کی۔ فتح کے بعد سکندر نے تمام برہمنوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ واپسی کے سفر میں مانچھَر جھیل کے ماہی گیروں نے تیر اور کتوں سے سکندر کی فوج پر حملہ کیا، جس میں سکندر ایک بار پھر زخمی ہوا۔

مؤرخین کی گواہیاں

•پلٹارک" :پورس کی فوج میں مالی جنگجو سکندر کے سپاہیوں کی موت کا سبب بنے۔"
•ایچ ٹی لیمبرک" :سکندر کے خلاف طویل اور خونریز جنگیں سندھ کے لوگوں کی آزادی کی شدید خواہش کو ظاہر کرتی ہیں۔ سکندر کو سندھ میں ایک لمحہ بھی سکون نصیب نہ ہوا۔"
•رابن لین فاکس" :پورس نے سکندر سے عزت چھینی، اسی لیے سکندر نے اسے عزت دی۔"

اختتامیہ

سکندرِ اعظم کے لیے سندھ ایک آگ اور مزاحمت کی سرزمین ثابت ہوئی۔ ماچھی قبیلے کے بادشاہ کی قربانی، برہمنوں کا انقلابی کردار، پورس کی فوج میں سندھی کھتریوں کی بہادری، اور ماہی گیروں کا حملہ—یہ سب مل کر ظاہر کرتے ہیں کہ سندھی قوم نے کبھی بھی بیرونی حملہ آوروں کے سامنے سر نہیں جھکایا۔

یہ تاریخی واقعہ صرف ماضی کی کہانی نہیں—یہ آزادی اور حب الوطنی کی زندہ علامت ہے، جو آج بھی سندھ کی وراثت کو امر کیے ہوئے ہے۔

حوالہ جات

1. پلٹارک، *سوانح حیاتِ سکندر*
2. اریئن، *اناباسس آف الیگزینڈر*
3. ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، *تاریخِ سندھ*
4. محمد ابراہیم جوئیو، *شاہ، سمی اور سچل*
5. ایچ ٹی لیمبرک، *سندھ: ایک عمومی تعارف*
6. رابن لین فاکس، *سکندرِ اعظم*

راجپوت نسل سے سندھ کی جدید ذاتوں کا ارتقاء

رک سندھی

جب ہم سندھ کا ذکر کرتے ہیں تو ہمیں اسے صرف موجودہ جغرافیائی حدود تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ اسے ہزاروں سال پرانی سندھ یا سندھُو ماں (سندھو ماں) تہذیب کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ اس خطے میں آج کا پاکستان مکمل طور پر شامل ہے، کیونکہ موجودہ پاکستان دراصل سندھُو ماں تہذیب کی سرحدوں پر قائم ہے۔ اس لیے اس خطے میں بسنے والی تمام برادریاں ایک ہی تہذیبی اور نسلی تسلسل کا حصہ ہیں، جنہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

قدیم قبائل: جاٹ اور مَید

رامائن اور مہابھارت جیسے دھارمک متون میں سندھ کے قبائل کا ذکر ملتا ہے، جن میں جاٹ اور مَید دو اہم قبائل تھے۔ جاٹ مال مویشی چراتے اور اونٹوں پر بوجھ ڈھوتے تھے، جبکہ مَید دریا اور سمندر کے کنارے آباد ہو کر مچھلی پکڑنے اور کشتی رانی جیسے پیشوں سے وابستہ تھے۔ بعد میں جاٹ لفظ "جٹ " اور مَید "میر بحر "یا "ملاح "میں تبدیل ہو گئے۔ یہ دونوں قبائل سندھُو ماں تہذیب کے اصل باشندے تھے، جن کے آثار 1500 قبل مسیح سے بھی پہلے کے ملتے ہیں۔

سماٹ ذاتیں: راجپوت نسل کی شاخیں

سوال اٹھایا گیا کہ آیا سماٹ ذاتیں سما قبیلے سے نکلی ہیں یا نہیں؟ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ سماٹ ذاتیں دراصل راجپوت نسل سے تعلق رکھتی ہیں۔ راءِ خاندان، جو سندھ پر حکمران تھا، راجپوت نسل کے سما تھے۔ ان ہی سے سندھ کی سماٹ ذاتیں وجود میں آئیں۔ اس لیے سماٹ ذاتوں کا دائرہ صرف سندھ تک محدود نہیں بلکہ پورے پنجاب اور پاکستان تک پھیلا ہوا ہے۔

نامور محقق الٰہ رکھیو بٹ کے مطابق سندھ میں جاٹ، مَید اور راجپوت نسل کی ذاتیں آج "سماٹ "کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ سما حکمران بھی راجپوت ہندو تھے، جو بعد میں 1391ء میں مسلمان ہوئے۔

عربوں کی آمد اور ذاتوں کی تبدیلی

عربوں کی فتح کے وقت سندھ میں سما، لاکا، لوہانہ اور جاٹ جیسے قبائل آباد تھے۔ ان میں سے کچھ نے اسلام قبول کیا اور کچھ ہندو مذہب پر قائم رہے۔ چچ نامہ کے مطابق راجا داہر کی فوج میں راجپوت نسل کے ٹھاکر شامل تھے۔ سومرا اور سما لشکروں میں بھی راجپوت نسل کے افراد شامل تھے، جن کا تعلق جاڑیجا خاندان سے تھا۔ جاڑیجا خود کو سما نسل سے جوڑتے ہیں اور ان کی حکومتیں کَچھ، بھُج اور کاٹھیاواڑ میں قائم تھیں۔

جدید ذاتیں اور ان کی اصل

الٰہ رکھیو بٹ کے مطابق سندھ کی جدید ذاتوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے: سماٹ اور غیر سماٹ۔ غیر سماٹ میں سید، بلوچ، پٹھان وغیرہ شامل ہیں، جو وقت کے ساتھ سندھ میں رچ بس گئے ہیں۔

سندھ کی سماٹ ذاتوں میں شامل ہیں:

- **جاٹ کی شاخیں** :ابڑہ، گلھوڑا، کوگر، ماچھی، پلال، تنیو، ملاح
- **پنجاب کی سماٹ ذاتیں** :اعوان، سیال، کوگر، آہیر، بڈا، بھگت، بھنڈ، بوہر، جویا، کمٹیا، مسن، سامٹیا، سہاگ، تیونا، ٹاٹڑی، ٹگر
- **سندھ کی سماٹ ذاتیں** :راٹھوڑ، پنھور، برڑا، سمیجا، جوکیا، نومڑیا، تھیبا، دیپر، راجڑا، منگریا، لاڑک، کاٹھیا، مہر، دھڑ، دھاریجا

نسلوں کی شناخت اور نفسیاتی غلامی

عربوں کی آمد کے بعد کئی مقامی قبائل نے اپنی شناخت عرب نسل سے جوڑنے کی کوشش کی، جیسے قریشی، انصاری، ہاشمی، صدیقی، فاروقی، سید، مغل، پٹھان وغیرہ۔ الٰہ رکھیو بٹ کے مطابق یہ ایک نفسیاتی غلامی تھی، جس کا مقصد حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنا اور مذہبی وابستگی ظاہر کرنا تھا۔

مثال کے طور پر:

- **تھہیم ذات** :کبھی خود کو تمیمی عرب کہتے ہیں، کبھی بلوچ، حالانکہ وہ اصل میں سماٹ قوم کے جاموٹ ہیں۔
- **سرائي ذاتیں** :پنجاب سے آ کر سندھ میں آباد ہوئیں، جٹکی یا سرائیکی بولتی ہیں، اور خود کو جٹ یا سماٹ کہتی ہیں۔

تاریخی تسلسل اور تہذیبی وحدت

سندھُو ماں تہذیب کے جاٹ اور راجپوت نسل سے سندھ کی کئی جدید ذاتیں وجود میں آئیں۔ آج بھی پنجاب میں انہیں "جٹ "اور سندھ میں "سماٹ "کہا جاتا ہے، مگر ان کا اصل نسلی پس منظر راجپوت ہے۔ سندھ میں مختلف قوموں کی آمد اور ان کا مقامی معاشرے میں ضم ہونا ایک فطری تاریخی عمل رہا ہے۔

سندھ کی ذاتوں، قبائل اور قومی شناخت کا تحقیقی جائزہ

رُک سندھی

تعارف

قوموں کی شناخت، ثقافت اور تاریخی شعور ان کی اجتماعی نفسیات کی بنیاد بنتے ہیں۔ جب قومیں غلامی کے دور سے گزرتی ہیں تو ان کے افراد میں احساسِ کمتری جنم لیتا ہے، جو ان کی قومی تشخص کو متاثر کرتا ہے۔ سندھ، جو دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک ہے، تاریخ کے مختلف ادوار میں ایسے نفسیاتی بحران سے گزر چکی ہے۔ اس تحقیقی مضمون کا مقصد سندھ کی ذاتوں، قبائل اور برادریوں کی شناخت کو بحال کرنا، ان کے تاریخی پس منظر کو اجاگر کرنا اور قومی فخر کے شعور کو فروغ دینا ہے۔

غلامی، احساسِ کمتری اور غیر ملکی اثرات

تاریخ گواہ ہے کہ جب قومیں غیر ملکی قبضے میں آتی ہیں تو ان کے افراد نفسیاتی طور پر فاتحین کو اعلیٰ اور خود کو کمتر سمجھنے لگتے ہیں۔ نتیجتاً مفتوح قوموں کے افراد فاتحین کی ثقافت، نام، رسوم و رواج اور ذاتی شناخت کو اپنانے لگتے ہیں۔ سندھی قوم بھی انگریزوں کے دور کے بعد ایسی ہی صورتحال سے گزری، جہاں کئی قبائل اور برادریوں نے اپنی اصل شناخت کو بھلا کر غیر قوموں کے ناموں سے پہچانے جانے میں فخر محسوس کیا۔

سندھی قوم کی تہذیبی وراثت اور شناخت

سندھی قوم دنیا کی قدیم تہذیب، یعنی وادئ سندھ کی وارث ہے۔ سندھیوں کی زبان، ادب، ثقافت، فنون اور سماجی اقدار بے حد

مالا مال ہیں۔ سندھی قوم امن پسند، تعمیری سوچ رکھنے والی اور دوسروں کے وسائل پر قبضہ کرنے والی قوم نہیں رہی ہے۔ سندھی عورتوں کا احترام، دیگر قوموں سے ہم آہنگی اور اپنی زمین سے وابستگی ان کی شناخت کے اہم اجزاء ہیں۔

ذات بدلنے اور غیر قوموں کی شناخت اپنانے کے اثرات

حالیہ برسوں میں سندھ میں کچھ برادریوں کی جانب سے غیر قوموں کی شناخت اپنانے کا رجحان بڑھا ہے، جو قومی تشخص کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہ رجحان نہ صرف تاریخی شعور کی کمی کا نتیجہ ہے بلکہ احساسِ کمتری کی علامت بھی ہے۔ سندھی قبائل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اصل شناخت کو بحال کریں اور فخر سے سندھی ہونے کا اظہار کریں۔

مورخین کی غفلت اور غیر ملکیوں کی مسخ شدہ تاریخ

انگریزوں کے دور کے بعد سندھی ادیبوں اور مورخین کی جانب سے سندھ کے قبائل، ذاتوں اور سورماؤں پر علمی تحقیق کم ہوئی، جس کا فائدہ غیر ملکی مصنفین نے اٹھایا۔ انہوں نے سندھ کے بہادر قبائل کو غیر سندھی قرار دینے کی کوشش کی اور تاریخ کو من گھڑت روایات کی بنیاد پر مسخ کیا۔ نتیجتاً کئی خالص سندھی قبائل آج خود کو دیگر قوموں سے منسوب کرتے ہیں۔

نتیجہ اور سفارشات

سندھی قوم کی شناخت کی بحالی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ مضمون درج ذیل سفارشات پیش کرتا ہے:

- سندھی مورخین، ادیب اور محققین سندھ کے قبائل، ذاتوں اور برادریوں پر علمی تحقیق کریں۔
- تعلیمی ادارے، میڈیا اور ثقافتی تنظیمیں قومی شناخت کے شعور کو فروغ دیں۔
- سندھی عوام اپنی ذات، قبیلے اور تاریخ کے بارے میں درست معلومات فراہم کریں تاکہ انہیں علمی ریکارڈ میں شامل کیا جا سکے۔
- وی لاگز، کتابوں اور دستاویزی فلموں کے ذریعے سندھی شناخت کو اجاگر کیا جائے۔

ناظرین اور قارئین کے لیے اپیل

ہماری زمین، ہماری شناخت اور ہماری تہذیب فخر کا باعث ہیں۔
آئیے مل کر اپنی اصل شناخت کو بحال کریں اور دنیا کے سامنے فخر سے کہیں:
"ہم سندھی ہیں، ہم اس دھرتی کے اصل وارث ہیں"!

سندھ پر رائے خاندان کی حکومت: ایک مثالی دور کی کہانی

رک سندھی

تاریخ میں لکھا گیا ہے کہ رائے دیواج سندھ کا شاندار بادشاہ تھا۔ ہندوستان کے تمام حکمران اس کے مخلص اور خیرخواہ تھے۔ دانا اور قابل افسران کی زیر نگرانی پورے ملک کا انتظام بہترین انداز میں چلتا رہا۔ یہ رائے دیواج کون تھا اور کس خاندان سے تعلق رکھتا تھا؟ آئیے آج ہم اسی خاندان کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

سندھ میں رائے خاندان کی حکومت

سندھ کی تاریخ میں رائے خاندان کی حکومت (450ء تا 642ء) یعنی تقریباً 192 سال تک قائم رہی۔ یہ دور سندھ کی سرحدوں کے استحکام، امن و امان اور معاشی خوشحالی کے لحاظ سے ایک مثالی دور مانا جاتا ہے۔ اس زمانے میں ملک کے باسیوں میں نہ کوئی اندرونی خلفشار تھا، نہ مذہب کی بنیاد پر کوئی عداوت پائی جاتی تھی۔

انتظامی تقسیم اور معیشت

ملک کو چار صوبوں (پرگنوں) میں تقسیم کیا گیا تھا:

1. ملتان
2. اُچ
3. برہمن آباد
4. سیہون

ان صوبوں پر رائے خاندان کی جانب سے گورنر مقرر کیے گئے تھے۔ سلطنت کا دارالحکومت اروڑ تھا، جب کہ دیبل اس وقت کا سب سے بڑا بندرگاہ تھا، جہاں سے بین الاقوامی تجارت ہوا کرتی تھی۔ اس دور میں بدھ مت سندھ کا سرکاری مذہب تھا۔ رعایا خوشحال اور امن قائم تھا۔

حکمرانوں کی فہرست

رائے خاندان کے پانچ بادشاہ سندھ پر حکومت کرتے رہے:

1. رائے دیواج (دیواج/دیواچی)
2. رائے سہیرس (پہلا)
3. رائے ساہسی (پہلا)
4. رائے سہیرس (دوسرا)
5. رائے ساہسی (دوسرا)

تاریخی ماخذات میں ان کے نام اور ادوار میں کچھ اختلافات ملتے ہیں، تاہم زیادہ تر مورخین ان پانچ بادشاہوں پر متفق ہیں۔

نمایاں واقعات

- رائے دیواج نے سلطنت کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔
- رائے سہیرس (دوسرا) کے عہد میں نمرود کے حاکم نے حملہ کیا، جس کے خلاف "ذات السلاسل" (زنجیروں کی جنگ) لڑی گئی۔ اس جنگ میں رائے سہیرس نے جان قربان کی مگر سندھ کو دشمن کے قبضے میں نہ جانے دیا۔
- رائے ساہسی (دوسرا) نے سلطنت کو دوبارہ منظم کیا۔ اس کے دربار میں برہمن نوجوان "چچ" ملازم ہوا، جو بعد میں اپنی ذہانت اور تعلقات کے ذریعے اقتدار تک پہنچا۔ رانی سونہ دیوی نے بھی چچ سے شادی کی۔ یوں

رائے خاندان کا خاتمہ ہوا اور سندھ میں برہمن خاندان (چچ خاندان) کی حکومت قائم ہوئی۔

نتیجہ

رائے خاندان کا دور سندھ کی تاریخ میں امن، انصاف، خوشحالی اور مذہبی رواداری کا سنہرا باب ہے۔ اروڑ کے کھنڈر، قدیم قلعے اور قلعہ بندیاں آج بھی اس شاندار دور کی یاد دلاتی ہیں۔

سندھ کے قبائل اور شاہ بیگ ارغون کے خلاف مزاحمت

رُک سندھی

تمہید

سندھ کی تاریخ بیرونی حملہ آوروں اور مقامی عوام کی مزاحمت سے عبارت ہے۔ جب بھی غیر ملکی طاقتوں نے سندھ پر یلغار کی، تب مقامی قبائل نے اپنی زمین، ثقافت اور آزادی کے تحفظ کے لیے بھرپور قربانیاں دیں۔ سولہویں صدی کے اوائل میں شاہ بیگ ارغون نے سندھ پر حملہ کیا، اور سمہ خاندان کے آخری حکمران جام فیروز کو شکست دے کر ارغونوں کی حکومت قائم کی۔
لیکن سندھ کے قبائل نے کبھی بھی غیر ملکی اقتدار کو دل سے تسلیم نہ کیا، بلکہ ہر محاذ پر اس کے خلاف مزاحمت کی۔

ارغونوں کا پس منظر

شاہ بیگ ارغون قندھار کا حاکم تھا، جس نے 1520ء میں سندھ پر لشکر کشی کی۔ اس وقت سمہ حکومت کمزور ہوچکی تھی اور جام فیروز کی نااہلی کے باعث سیاسی ابتری بڑھ گئی تھی۔ یہی وہ موقع تھا جس کا فائدہ اٹھا کر ارغون سندھ میں داخل ہوئے۔

سندھ کے قبائل کی مزاحمت

سمہ قبیلہ

سمہ خاندان سندھ میں آزادی کی علامت تھا۔ جام نظام الدین (جام نندو) نے اپنے سپہ سالار دولہا دریائے خان کے ذریعے سبی اور دیگر سرحدی علاقوں میں ارغونوں کو پہلی شکست دی۔

دولہا دریائے خان اور اس کا لشکر

دولہا دریائے خان، جسے سندھ کی تاریخ میں قومی ہیرو کہا جاتا ہے، 1520ء میں ٹھٹھہ کے میدان میں شاہ بیگ ارغون کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوا۔ اس کی شہادت سندھ کی قومی مزاحمت کے لیے سنگ میل ثابت ہوئی۔

سوڈھا قبیلہ

ٹھلٹی کی جنگ میں سوڈھا قبائل نے غیر معمولی بہادری دکھائی۔ تاریخ معصومی میں میر معصوم بکری لکھتا ہے کہ سوڈھوں نے مردانگی کی لازوال مثال قائم کی اور رنمل سوڈھے کے ساتھ بڑی تعداد میں جامِ شہادت نوش کیا۔

سہتا قبیلہ

سہتا قبیلے نے بھی ارغونوں کی حکمرانی تسلیم نہ کی اور سیہون و نواحی علاقوں میں ان کے خلاف صف آرا ہوا۔

دولہا دریائے خان کے فرزند

میاں محمود، موٹڑ خان اور جام سارنگ نے ٹلٹی اور باغبان کے معرکوں میں ارغونوں سے مقابلہ کیا۔

ماچھی قبائل

ماچھی قبائل نے باغبان کے علاقے میں ارغونوں کے خلاف مزاحمت کی۔

ڈہر، دھریجہ اور مہر قبائل

بکر کے قلعے میں یہ قبائل ارغونوں کے مقابلے پر آئے۔
دھریجوں نے سلطان محمود ارغون کو گرفتار کرنے کی بھی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔

صوفیانہ اثر رکھنے والی مذہبی قوتیں

مخدوم بلال جیسے صوفی بزرگوں نے بھی ارغونوں کو تسلیم نہ کیا اور عوام کو مزاحمت پر ابھارا۔

ناکامی کی وجوہات

- قبائل کی باہمی نااتفاقی اور بکھری ہوئی جدوجہد۔
- منظم فوجی طاقت کا فقدان۔
- بعض مقامی افراد (جیسے قاضی قادن) کی غداری۔

نتیجہ

شاہ بیگ ارغون کے خلاف سندھ کے قبائل — **سمہ، سوڈھا، سہتا، ماچھی، ڈہر، دھریجہ اور مہر** — نے جان نثار جدوجہد کی۔ ان کے ساتھ **دولہا دریائے خان، اس کے فرزند اور صوفی بزرگ** بھی مزاحمت کی علامت بنے۔
اگرچہ یہ جدوجہد مکمل کامیابی حاصل نہ کرسکی، لیکن سندھ کی تاریخ میں یہ دور آزادی کی آرزو اور قومی شعور کی لازوال علامت بن گیا۔

سندھ رانی اور میر باگو خان تالپور:اقتدار، محبت اور قربانی کی انوکھی داستان

رک سندھی

سندھ کی تاریخ صرف سلطنتوں کے عروج و زوال کی داستان نہیں بلکہ یہ عشق، سیاست اور قربانی کا مرقع بھی ہے۔ انہی قصوں میں سے ایک دلکش اور درد انگیز کہانی ہے ''*سندھ رانی مریم اڈھیجو عرف سونیتا* ''اور *میر باگو خان تالپور* کی، جس نے یہ ثابت کیا کہ محبت کی عظمت اقتدار سے کہیں زیادہ ہے۔

سندھ رانی کی پیدائش

سندھ رانی کا اصل نام "مریم" تھا۔ وہ چاکر اڈھیجو کی بیٹی اور سائینڈنو کی بہن تھی۔ ان کا تعلق موجودہ ماتلی تعلقے کے قریب "ٹری" نامی بستی سے تھا۔ مریم 1180ھ کے قریب پیدا ہوئی اور اپنی غیر معمولی حسن و جمال کی وجہ سے "سونیتا" اور بعد میں *سندھ رانی* کہلائی۔

کلہوڑا حکمرانوں کی خواہش

مریم کے حسن کے چرچے سن کر سب سے پہلے کلہوڑا حکمران میاں سرفراز خان نے اس سے نکاح کی خواہش کی اور منگنی بھی ہوئی، لیکن عمر کم ہونے کے باعث شادی نہ ہوسکی۔ بعد ازاں میاں غلام نبی اور میاں عبدالنبی کلہوڑا بھی

اس پر فریفتہ ہوئے۔ لیکن جب ان کے والد چاکر اڈھیجو نے بار بار انکار کیا تو میاں عبدالنبی نے غصے میں آکر اڈھیجا بستی پر حملہ کیا اور 110 بے گناہ افراد کو قتل کر دیا۔

تالپوروں کا عروج

1783ء میں ہالانی کی فیصلہ کن جنگ کے بعد تالپور حکمران بنے تو سندھ رانی ان کے زیر حراست آگئی۔ کئی تالپور امراء اس سے نکاح کے خواہشمند تھے۔ تب فیصلہ ہوا کہ جو شخص اقتدار چھوڑے گا وہ سندھ رانی سے شادی کرے گا۔ میر باگو خان نے اعلان کیا:
"مجھے حکومت نہیں بلکہ سندھ رانی چاہئے۔"

میر باگو خان اور سندھ رانی کی ازدواجی زندگی

میر فتح علی خان تالپور نے سونیتا کا نکاح میرباگو خان سے کرایا۔ اس کے ساتھ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ میر باگو خان قلیلی ندی پر ایک نہر کھدوائے اور جس زمین کو وہ سیراب کرے گی وہ سندھ رانی کی جاگیر ہوگی۔ میر باگو خان نے حکومت اور دولت چھوڑ کر اپنی محبوبہ کے لئے "باگو واہ" نہر کھدوائی اور "ٹنڈو باگو" شہر آباد کیا، جو آج ضلع بدین کا اہم شہر ہے۔

سندھ رانی کی وفات

1790ء میں سندھ رانی وفات پاگئی۔ وصیت کے مطابق اسے ٹری کے قریب سخی سلطان شاہ دیوانو کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

میر باگو خان کا انجام

1804ء میں شکار کے دوران ایک زہریلے سانپ کے ڈسنے سے میر باگو خان کا انتقال ہوگیا۔ بعد میں وہ "واگھو فقیر" کے نام سے عوام میں مشہور ہوئے اور آج بھی عمرکوٹ میں ان کا مزار زیارت گاہ ہے۔

تجزیہ

یہ کہانی واضح کرتی ہے کہ سندھ کی تاریخ میں محبت، قربانی اور انسانیت کی قدریں اقتدار سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ میر باگو خان کا اعلان:
"مجھے حکومت نہیں، سندھ رانی چاہئے"
محبت کو تاج و تخت پر فوقیت دینے کی شاندار مثال ہے۔

جب ارغون حکمران کے دو بھائی سندھ کے ہاتھوں مارے گئے

رُک سندھی

سندھ کی تاریخ عروج و زوال، اتحاد و انتشار اور مزاحمت و غلامی کے ادوار سے بھری پڑی ہے۔ انہی میں سے ایک سب سے ہنگامہ خیز دور تھا **ارغون اور ترخان خاندانوں کا عہد،** جو ظلم، داخلی کشمکش اور سیاسی تقسیم کے سبب یاد کیا جاتا ہے۔ مگر اس تاریک زمانے میں بھی سندھ کے قبائل کی مزاحمت نے ایسے نقوش چھوڑے جو آج بھی تاریخ میں زندہ ہیں۔

سندھ کی تقسیم

یہ موڑ اُس وقت آیا جب **مِرز ا شاہ حسن ارغون** 1555ء میں وفات پا گیا۔ اس کی موت کے بعد سندھ دو حصّوں میں بٹ گیا : **ٹھٹھ**ہ پر **مِرزا عیسیٰ ترخان** نے قبضہ جمایا اور **بکّر** پر **سلطان محمود بخاری** نے اپنی حکومت قائم کی۔ یہ تقسیم سندھ کی مسلسل بےچینی اور خانہ جنگی کا آغاز بنی۔

سلطان محمود بخاری اصلاً **ایران کے صوبے خوزستان** سے تعلق رکھتے تھے۔ جوانی میں وہ **شاہ بیگ ارغون** کی فوج میں شامل ہوئے اور ترقی کرتے کرتے **گورنر بکّر** بنے۔ شاہ حسن کی زندگی میں وہ ارغون خاندان کے وفادار رہے، مگر اس کی موت کے بعد خودمختار حکمران بن بیٹھے۔

ترخانوں سے دشمنی

ٹھٹہ کے عیسیٰ ترخان اور **بکّر کے محمود بخاری** کے درمیان کشمکش اُس پورے عہد کا نمایاں پہلو تھی۔ دونوں کئی بار آمنے سامنے آئے، مگر فیصلہ کن کامیابی کسی کے حصے میں نہ آئی۔ نتیجتاً سندھ ٹکڑوں میں بٹا اور ہمیشہ جنگ کے دہانے پر رہا۔

سندھ کے قبائل کی مزاحمت

ان جھگڑوں کے بیچ اصل شناخت بنی **سندھی قبائل کی مزاحمت** کی۔ **داھَر، ڏریجا، مڇھي** اور دیگر قبائل اپنی آزادی کے تحفظ کے لیے بار بار محمود بخاری کی افواج پر حملہ آور ہوئے۔

انہی لڑائیوں میں ایک فیصلہ کن واقعہ پیش آیا جب سندھ نے ایک تاریخی کامیابی حاصل کی :**سلطان محمود کے دو بھائی، بابا احمد اور عبد الفتاح، جنگ میں مارے گئے۔** یہ صرف فوجی کامیابی نہیں بلکہ جبر کے خلاف کاری ضرب تھی، جس نے سندھ کی بہادری اور عزم کو امر کر دیا۔

سلطان محمود کے آخری ایام

اس سنگین نقصان کے باوجود، سلطان محمود بخاری نے بکّر اور مٹھلا پر اپنی گرفت قائم رکھنے کی کوشش جاری رکھی۔ لیکن اس کی حکومت امن یا خوشحالی کے بجائے **مسلسل جنگوں اور تصادم** سے عبارت رہی۔ بالآخر 30 مئی 1574ء کو 84 برس کی عمر میں اُس کا انتقال ہو گیا۔

تاریخ اُسے کسی انتظامی کارنامے کے لیے نہیں بلکہ اس بات کے لیے یاد کرتی ہے کہ اُس کے دور میں بھی سندھ کے عوام کی مزاحمت ناقابلِ شکست رہی۔ اس دور کی اصل میراث ارغونوں یا ترخانوں کی نہیں بلکہ اُن سندھ کے قبائل کی ہے، جنہوں نے آزادی کی شمع کو بجھنے نہ دیا۔

راجا پورس نے سکندر مقدونی کو سندھ سے کس طرح پسپا ہونے پر مجبور کیا؟

رُک سندھی

تمہید

سکندر مقدونی دنیا کے اُن فاتحین میں شمار ہوتا ہے جنہیں تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی، لیکن جب وہ سندھ کی وادی میں داخل ہوا تو اُسے ایسی سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جس نے اُسے پسپائی پر مجبور کردیا۔ سندھ کے آزادی پسند لوگوں اور راجا پورس جیسے سورماؤں نے ثابت کیا کہ اس سرزمین کو کبھی غلام نہیں بنایا جا سکتا۔

سکندر مقدونی اور اُس کا خوابِ فتوحات

356قبل مسیح میں مقدونیہ میں پیدا ہونے والا سکندر، والد فلپ دوم کی وفات (336 ق.م) کے بعد تخت نشین ہوا۔ وہ ارسطو کا شاگرد رہا، مگر اس کا اصل جنون دنیا کو فتح کرنا تھا۔ ایران، شام، مصر اور افغانستان کو زیر کرنے کے بعد وہ سندھ کی طرف بڑھا۔

سندھ کی سیاسی و معاشی اہمیت

قدیم سندھ پانچ بڑی ریاستوں پر مشتمل تھا:

1. اروڑ – راجا موسیکاموس
2. سیوھڻ – راجا سامبس
3. پٹالا (موجودہ حیدرآباد و لاڑ) – راجا موکرس
4. بیمباکتہ (کراچی و لس بیلا) – اورتان قبیلہ
5. سمانگر (ٹھٹھہ و سجاول) – یادونسی راجا سامبس

سندھ "سونے کا گھر" کہلاتا تھا۔ بھنپور کی بندرگاہ مصر کی اسکندریہ تک تجارت کا ذریعہ تھی۔

راجا پورس اور سکندر کی جنگ

326ق.م میں سکندر کی فوج کا مقابلہ راجا پورس سے ہوا۔ پورس کے پاس ہزاروں سپاہی، سوار اور 200 جنگی ہاتھی تھے۔ یونانی مؤرخوں کے مطابق پورس کے سپاہی بڑے کمانوں اور لمبے تیروں کے ماہر تھے۔

پلوتارخ لکھتا ہے:

"پورس کے خلاف جنگ میں سکندر کی فوج کا حوصلہ ٹوٹ گیا، یہ جنگ فتح نہیں بلکہ شکست تھی۔"

آخر کار سکندر نے پورس کو عزت و وقار کے ساتھ راجا تسلیم کیا۔

سندھ کی عوامی مزاحمت

پورس کے بعد بھی سندھ کے عوام نے یونانیوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔

- اروڑ میں چھاؤنی جلادی گئی۔
- سیوھڻ میں اعلان ہوا" *اطاعت سے بہتر ہے جنگ میں مر جانا*"۔
- پٹالا (موجودہ حیدرآباد) میں یونانی فوج کو شہر سے نکال دیا گیا۔
- ٹھٹھہ اور کراچی میں شدید معرکے ہوئے۔

اریان کے مطابق سندھ کے لوگ ہتھیاروں میں کمزور مگر دلیر اور وطن پرست تھے۔

سکندر کی پسپائی

آخر کار عوامی مزاحمت، بیماریوں اور تھکن کے باعث سکندر مزید آگے نہ بڑھ سکا اور مکران کے دشوار راستوں سے ہوتا ہوا واپس بابل پہنچا، جہاں 323 ق.م میں صرف 33 برس کی عمر میں وفات پاگیا۔

ایچ ٹی لیمبرک لکھتا ہے:

"سکندر کی سندھ میں مہم کوئی فتح نہیں بلکہ ایک خون آلود مصیبت تھی۔"

نتیجہ

راجا پورس اور سندھ کے عوام نے ثابت کیا کہ آزادی کو زنجیروں میں جکڑا نہیں جا سکتا۔ یونانی مؤرخین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ سندھ کے لوگ دلیری، بہادری اور حب الوطنی میں بے مثال تھے۔

حوالہ جات

1. Plutarch. *Parallel Lives: The Life of Alexander*. Loeb Classical Library, Harvard University Press.
2. Arrian. *The Anabasis of Alexander*. Translated by Aubrey de Sélincourt. Penguin Classics, 1971.
3. Robin Lane Fox. *Alexander the Great*. Penguin Books, 1973.
4. H. T. Lambrick. *Sindh: A General Introduction*. Oxford University Press, 1973.
5. Herodotus. *Histories*. Translated by A. D. Godley. Loeb Classical Library, Harvard University Press.

رُک سندھی کی ایک مختصر پروفائل

رُک سندھی (پیدائش: 5 اگست 1961، گاؤں حامد اُجن، کنڈیارو، ضلع نوشہروفیروز، سندھ) ایک ممتاز مورخ، مصنف، مترجم اور صحافی ہیں۔ انہوں نے جامعہ سندھ، جامشورو سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور 1980 میں صحافت اور تحقیق کا آغاز کیا۔

رُک سندھی کو وادی سندھ کی تہذیب، سندھ کی تاریخ، اور لسانیات پر گہری تحقیق کے لیے جانا جاتا ہے۔ انہوں نے 22 سے زائد کتابیں سندھی زبان میں تصنیف کیں، جن میں *Rise of Indus Civilization*، *Indus Civilization Scholars*، اور *قاضی فیض محمد* شامل ہیں۔

وہ اردو، سندھی اور انگریزی زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں اور سندھ کی قومی تحریک، نسلی شناخت، اور تاریخی بیانیے کی اصلاح کے لیے سرگرم ہیں۔ ان کی تحریریں علمی تحقیق، ثقافتی فخر، اور وحدت کے پیغام سے بھرپور ہوتی ہیں۔